مقدمات

حضرت ضیاء الامت جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ
کے مختلف کتب پر تاریخی مقدمات، تقاریظ اور تاثرات
پر مشتمل نگارشات کا مجموعہ

ترتیب و تدوین

ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس شمس

مکتبہ جمالِ کرم لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدّمات

حضرت ضیاء الامّت جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ

کے مختلف کتب پر تاریخی مقدّمات تقاریظ اور تاثرات

پر مشتمل نگارشات کا مجموعہ

ترتیب و تدوین

ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس شمس

مکتبہ جمالِ کرم لاہور

دربار مارکیٹ، لاہور

042-7324948, 0321-4300441

نام کتاب : مقدمات

98147

مؤلف : ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس شمس

پروف ریڈنگ : شاہد حسین، محمد فخر زمان

ناشر : مکتبہ جمال کرم، لاہور

کمپوزنگ : حمزہ گرافکس، اردو بازار، لاہور

سن اشاعت : جنوری ۲۰۰۹ء/ ۱۴۳۰ھ

قیمت : ۲۴۰ روپے

۲۹۷

ش م س

شمس، ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس

مقدمات

جمال کرم لاہور، ۲۰۰۹

۲۵۶ ص

۱۔ اسلام

فہرست

قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ

وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ

مقدمۂ مؤلف

قلم اور قدم جب اعلیٰ مقاصد کی تکمیل کے لئے اٹھیں تو معاشرہ پر گہرے اور انمٹ نقوش ثبت کرتے ہیں۔ان نقوش سے قوموں کے فکری معیار کا اندازہ ہوتا ہے۔دور غلامی میں اٹھنے والے قلم کی کمزوری اور سیاہی کا پھیکا پن اور فکر کی مایوسی آنے والا مورخ بآسانی محسوس کر لیتا ہے،لیکن ایسے دور میں اگر صاحبِ قلم،قوتِ ایمانی کی حلاوت سے آشنا ہو اور اس کے دل کا نہاں خانہ عشقِ رسول ﷺ کی دولت سے معمور ہو تو،قلم کا بانکپن اور جولانی آنکھوں کو طراوت،روح کو تسکین اور فکر کو صراط مستقیم پر گامزن کرتی ہے،حرف حرف امید کی کرن نظر آتا ہے اور لفظ لفظ قوم کے لیے رہبر ثابت ہوتا ہے۔ایسے ہی قلم سے نکلنے والے رشحات کے بارے میں قرآن نے کہا:ن والقلم و مایسطرون o (القلم ۱:۶۸)

برصغیر میں ہم انگریز کی غلامی سے آزاد ہوئے تو اہل مغرب کی مرعوبیت کی غلامی نے آدبوچا اور اس کی گرفت ہر آنے والے دن میں مضبوط ہوتی جارہی ہے۔ ''کرگسوں کے آباد جہان میں'' نہ جانے کتنے لوگ قلم کی عزت وحرمت پر ڈاکہ زن ہوئے۔لاکھوں لکھاری پیدا ہوئے جنہیں لوح وقلم کی عظمت کا احساس،نہ حروف والفاظ کی اثر پذیری کا اندازہ ہے۔قدرت نے ایسے ناگفتہ بہ حالات میں ہمیشہ امت پر فضل وعنایت کی بارش کی،کسی نہ کسی دیدہ ور کو پیدا کیا جسے قلم اور قدم کی عظمت کا احساس ہوتا۔ایسا شاہین منصۂ مشہود پر آتا جس پر تاریخِ قلم بھی ناز کرتی۔تاریخِ ہند

میں ایک ایسی ہی ملکوتی شخصیت حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری (م:۱۹۹۸ء) کی ہے۔ آپ کے قلم اور قدم کی قائم کردہ یادگاریں آج بھی نشان منزل کی حیثیت رکھتی ہیں۔

۱۹۱۸ء/۱۳۳۶ھ میں بھیرہ کے دور افتادہ علاقہ میں آپ کی ولادت ہوئی۔ یہ شہر فکری کجرویوں کے مرکز کی حیثیت سے شہرت رکھتا تھا۔ ان گمراہیوں کی اصلاح کے لیے قدرت نے آپ کی شخصیت کی تکمیل ایسے عناصر سے کی جو امت کو جادۂ مستقیم پر گامزن کرنے کی ضمانت بن سکتے۔ والدگرامی قدر پیر محمد شاہ بھیروی رحمۃ اللہ علیہ نے عہد طفولیت میں اپنے عمل و کردار کے گہرے نقوش ثبت کیے۔ خوش بختی کہ سید محمد نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ جیسے بلند فکر استاد نے فکری آبیاری کی۔ خواجہ محمد قمر الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ نے دل کی دنیا کو آباد کرنے میں اپنی تمام تر روحانی توانائیاں صرف کیں کہ پیر سیال کے روضہ کا مینار بن گئے۔ وسعت فکر و نظر کے لیے قدرت نے مصر میں حصول علم کا موقع عطا کیا۔ یہاں شیخ محمد ابوزہرہ جیسے فقیہ اور احمد زکی جیسے ادیب، نے آپ کی شخصیت میں اس طرح نکھار پیدا کیا کہ آپ کی ذات علم و عمل کا موسوعہ بن گئی۔ ان امامانِ ہدیٰ کے افکار سے جو خمیر اٹھا وہ خیر کا منبع، علم کا ماخذ، روحانیت کا علمبردار، اتحاد بین المسلمین کا داعی اور قلم کی عزت و عظمت کا نگہبان تھا۔ آپ نے جو لکھا...... کسی کو آپ کی رائے سے اختلاف ہو سکتا ہے...... مگر اخلاص میں ملاوٹ کا شائبہ تک نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ اہل علم نے آپ کے وجود کو ماضی کے نور کا ہالہ سمجھا اور اپنے حال کو روشن کرنے کی کوشش کی۔ مختلف یونیورسٹیوں میں آپ کے افکار کا مطالعہ مختلف سطح کے مقالہ جات لکھ کر ہوا۔ چند مقالات کے عنوانات اور مقالہ نگاروں کا نام پیش خدمت ہے۔ (بعض مقالات مکمل ہو چکے ہیں اور ڈگری مل چکی ہیں جبکہ دیگر زیر تکمیل ہیں)

ایم اے کی سطح کے مقالات

(۱)	تفسیر ضیاء القرآن، اسلوب ومصادر	محمد اسحاق	پنجاب یونیورسٹی، لاہور
(۲)	پیر محمد کرم شاہ کی ضیاء النبی تقابلی جائزہ	طیبہ ادریس	" "
(۳)	دارالعلوم محمدیہ غوثیہ کا علمی وتحقیقی جائزہ	حافظ نصر اللہ	" "
(۴)	سورۃ البقرۃ کی روشنی میں تدبر قرآن اور ضیاء القرآن کا تقابلی جائزہ	شہباز حبیب	" "
(۵)	تفسیر معارف القرآن، تفہیم القرآن اور ضیاء القرآن کا تقابلی جائزہ	عفیفہ نوریں	بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان
(۶)	پیر محمد کرم شاہ کی علمی خدمات تفہیم القرآن اور ضیاء القرآن کے نقشہ جات کا موازنہ	رفعت یاسمین	بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان
(۷)	تفہیم القرآن اور ضیاء الاقرآن کے اسلوب تفسیر کا تقابلی مطالعہ	میمونہ اکرام	" "
(۸)	تخریج الاحادیث من تفسیر ضیاء القرآن	عائشہ بتول	جی سی یونیورسٹی فیصل آباد
(۹)	المصادر العربیۃ تفسیر ضیاء القرآن	عائشہ مقبول	جی سی یونیورسٹی فیصل آباد
(۱۰)	الشیخ قاضی محمد کرم شاہ الازھری (حیاتہ، مؤلفاتہ)	ظہیر الدین	پنجاب یونیورسٹی لاہور

مقالہ جات برائے ایم فل

(۱) پیر محمد کرم شاہ کی علمی و دینی خدمات — شاہینہ طفیل — پنجاب یونیورسٹی، لاہور

(۲) تجدید الدینی فی جهود العلامة محمد کرم شاه الازهری — ڈاکٹر محمد منیر الازہری — جامعہ الازہر، مصر

(۳) علم کلام کے مسائل، ضیاء القرآن اور تدبر قرآن کی روشنی میں — صائمہ عثمان — دی یونیورسٹی آف فیصل آباد، فیصل آباد

(۴) کلامی مسائل میں تفسیر ثنائی اور ضیاء القرآن کا تقابلی مطالعہ — حذافہ رفیق — پنجاب یونیورسٹی، لاہور

(۵) پیر محمد کرم شاہ بحیثیت سیرت نگار — حافظ محمد رمضان — بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان

(۶) سیرت سرور دو عالم اور ضیاء النبی کا تقابلی مطالعہ — فرزانہ کوثر — " "

(۷) تفسیر ضیاء القرآن اور تبیان القرآن (تجزیاتی، تقابلی اور تنقیدی مطالعہ) (سورہ آل عمران) — سمیرا کوثر — دی یونیورسٹی آف فیصل آباد فیصل آباد

(۸) تفسیر ضیاء القرآن اور تبیان القرآن (تجزیاتی، تقابلی اور تنقیدی مطالعہ) (سورۃ النساء) — عاصمہ کنول — " "

(۹)	تفسیر ضیاء القرآن اور تفہیم القرآن (تجزیاتی، تقابلی اور تنقیدی مطالعہ) (سورۃ الاعراف)	شمائلہ صدف	"	"
(۱۰)	تفسیر ضیاء القرآن اور تفہیم القرآن (تجزیاتی، تقابلی اور تنقیدی مطالعہ) (سورۃ الانعام)	فخرہ بشیر	"	"
(۱۱)	تفسیر ضیاء القرآن اور تبیان القرآن (تجزیاتی، تقابلی اور تنقیدی مطالعہ) (سورۃ المائدہ)	مسرت ملک	"	"
(۱۲)	تفسیر ضیاء القرآن اور تفہیم القرآن (تجزیاتی، تقابلی اور تنقیدی مطالعہ) (سورۃ یونس)	شازیہ رشید	"	"
(۱۳)	مکاتیب ضیاء الامۃ للعلامۃ محمد کرم شاہ (دراسۃ وترجمہ)	ریحام عبداللہ سلامہ	جامعۃ الازھر مصر	

پی ایچ ڈی کے لیے مقالات

(۱) پیر محمد کرم شاہ الازہری کی علمی ودینی خدمات۔ شاکر حسین، جامعہ کراچی، کراچی

یہ وہ مقالا جات ہیں جن میں ایک مستقل موضوع کی حیثیت سے حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری کی فکر، اور شخصیت پر کام ہوا۔ بعض مقالات میں کسی موضوع کا مجموعی جائزہ لیتے ہوئے آپ کی تحقیقات وافکار کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

(۱) ڈاکٹر محمد شکیل اوج کے ڈاکٹریٹ کے مقالہ میں حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری کے ترجمۂ قرآن کا جائزہ لیا گیا ہے۔ مقالہ کا عنوان ''قرآن کے آٹھ منتخب اردو تراجم کا تقابلی مطالعہ'' ہے۔

(۲) بہاء الدین زکریا یونیورسٹی سے قرۃ العین علی نے ''قرآن مجید کے تراجم کا تقابلی مطالعہ'' کے عنوان سے ایم فل کے لیے مقالہ لکھا۔ شعبہ عربی میں ہونے والے اس کام میں بھی چار قرآنی تراجم کا تقابل ہے جس میں ایک ترجمہ جمال القرن ہے۔

(۴) بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان میں رضیہ شبانہ ''برصغیر میں مستشرقین کے افکار کے تناظر میں سیرت نگاری کا ایک تحقیقی و تنقیدی جائزہ'' کے عنوان سے ڈاکٹریٹ کا مقالہ لکھ رہی ہیں جس میں حضرت پیر محمد کرم شاہ الازھری کی اس حوالہ سے تحقیقات کا خصوصی جائزہ لیا گیا ہے۔

(۵) الجامعۃ الجامعۃ الامام محمد بن سعود ریاض سے ڈاکٹر محمد ایاز نے تفسیر ضیاء القرآن کی فکری بنیادوں پر سیر حاصل بحث کی۔ اگرچہ ان کی تمام آراء سے اتفاق بہت ہی مشکل ہے۔ مقالہ کا عنوان التفسیر والمفسرون فی باکستان فی النصف الاخیر من القرن الرابع العشر الھجری ہے۔

☆☆☆☆

زیر نظر کتاب ''مقدمات'' میں حضرت ضیاء الامت جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازھری رحمۃ اللہ علیہ کے لکھے گئے مقدمات، تقاریظ اور تبصروں کو درج ذیل عنوانات کے تحت اکٹھا کیا ہے۔

تفصیل درج ذیل ہے:

(ا) قرآنیات

(i) فیوض القرآن: ڈاکٹر سید حامد حسن بلگرامی

(ii) احکام القرآن: چوہدری نذر محمد

(iii) تفسیر سراج منیر: حافظ غلام حسین مصطفیٰ

(iv) قرآن نمبر: سیارہ ڈائجسٹ

(v) تعلیم القرآن: ڈاکٹر ابوالمنصور رافضل الرحمان

(vi) چالیس روزہ قاری کورس: قاری محمد مشتاق

(ب) حدیث وسیرت

(i) ریاض الصالحین: مترجم: علامہ عبدالرسول ارشد

(ii) معارج النبوۃ فی مدارج الفتوۃ:

(iii) نور مبین: ڈاکٹر سید حامد حسن بلگرامی

(iv) حیات جان کائنات: علامہ خالد محمود

(v) محمد ﷺ معلم اخلاق: فقیر محمد ندیم باری

(vi) طب نبوی اور جدید سائنس: ڈاکٹر خالد غزنوی

(vii) حضور پاک ﷺ کا جلال و جمال: امیر افضل خاں

(viii) قصیدہ اطیب النغم: مترجم پیر محمد کرم شاہ الازہری

(ix) رحمت دارین کے سوشیدائی: طالب الہاشمی

(x) طلع البدر: سید ظہور علی شاہ

(xi) فیضان کرم ڈاکٹر خواجہ عابد نظامی

(xii) البرھان فی خصائص حبیب الرحمان: ابوطاہر محمد بشیر احمد

(xiii) باب جبرئیل: حافظ مظہر الدین

(ج) اسلامی قانون و احکام

(i) اسلامی قانون کا نظریہ مصلحت: سید عبدالرحمٰن بخاری

(ii) اسلامی نظام مالیات: راجہ محمد افسر خاں

(iii) رؤیت ہلال موجودہ دور میں: ضیاء الدین لاہوری

(د) تصوف

(i) کشف المحجوب: ترجمہ فضل الدین گوہر

(ii) مجموعہ وظائف مع دلائل الخیرات: پیر محمد کرم شاہ الازہری

(iii) تذکرہ نقشبندیہ خیریہ: مولانا محمد صادق قصوری

(iv) فوز المقال: مرید احمد چشتی

(v) رابطہ شیخ: پیر عبداللطیف خاں نقشبندی

(vi) دیوان فرید رحمۃ اللہ علیہ: مترجم و شارح مولانا نور احمد خاں فریدی

(vii) جواہر کرم: مولانا ظہور احمد بروہی

(د) متفرق

(i) عظیم کائنات کا عظیم خدا: غلام جیلانی برق

(ii) من عقائد اھل السنۃ: محمد عبدالحکیم شرف قادری

(iii) ثبوت حاضر ہیں: محمد متین خالد

(iv) تسھیل النحو: حافظ محمد خان نوری

(v) تسہیل الصرف: پیرزادہ محمد امداد حسین

(vi) میزان خیال: جسٹس محبوب احمد

(vii) تاریخ ملتان: مولانا نور احمد خاں فریدی

☆☆☆☆

درج بالا مقدمات (مقدمات، تقاریظ، تبصرے) کی تعداد ۳۶ ہے۔ ان میں ایک عربی زبان میں ہے اور اس کا ترجمہ حضرت علامہ عبدالحکیم شرف قادری نے کیا ہے، جبکہ باقی تمام اردو زبان میں ہیں۔ صرف ایک کتاب ''حضور پاک ﷺ کا جلال و جمال'' تبصرہ ہے جس کے مصنف نے اقتباسات دیئے ہیں۔

☆☆☆☆

مناسب ہے کہ زیر نظر کتاب کے تعارف سے پہلے مقدمہ، تقریظ اور تبصرہ کے بارے میں چند معلومات ذکر کردی جائیں۔

مقدمہ:

مقدمۃ قدم سے مشتق ہے۔ اس کو بکسر دال اور بفتح دال دونوں طرح پڑھا جاتا ہے۔ یہ اردو کے تحقیقی و تنقیدی ادب کی ایک اہم اصطلاح ہے، اور اصطلاحات کی توضیح و تشریح کرنے میں عموماً قدرے اختلاف ہی پایا جاتا ہے۔ تاہم لغوی اعتبار سے عربی میں مقدمۃ الجیش، اس گروہ کو کہتے ہیں جو لشکر کے آگے آگے چلتا ہے اور مختلف معلومات و سہولیات کا جائزہ لیتا ہے۔ اس صورت میں مقدمۃ الکتاب سے مراد وہ تحریر ہو گی جو کتاب کی ابتدا میں مقصد اصلی سے پہلے ہو، اس طور پر کہ کتاب میں مندرج مسائل کو سمجھنا آسان ہو جائے۔ کتاب سے استفادہ کے لیے اس مقدمہ کا ایک ربط و تعلق ہوتا ہے۔ یہ عموماً درج ذیل امور پر مشتمل ہوتا ہے:

(۱) مقدمے میں بحث کر کے اپنے نظریے کی اہمیت اور دوسروں کے نظریوں کی خامی، کوتاہی اور حقیقت تک نارسائی پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔ معلومہ مواد کی نشاندہی اور اس پر تبصرہ کیا جاتا ہے اور ساتھ تقابلی مطالعہ پیش کیا جاتا ہے۔

(۲) مصنف اپنی تصنیف کے حالات و کیفیات بیان کرتا ہے۔ مرتب، مؤلف یا مدون اپنے بیان میں ذرا تفصیل سے جائزہ لے کر اپنی مرتبہ، مؤلفہ یا مدونہ کتاب کے مالہ وماعلیہ کو پیش کرتا ہے، یہ سب اپنی تلاش و کاوش کا ذکر کرتے ہیں۔

(۳) موضوع پر دستیاب مواد و کتب سے بحث کی جاتی ہے۔ ان پر تنقیدی نظر ڈالی جاتی ہے۔ وہ امور زیر بحث آتے ہیں جن کے پیش نظر یا جن کو پورا کرنے کے لیے کتاب لکھی یا مرتب کی گئی ہے، کتاب جس کمی کو پورا کرتی ہے وہ بیان کی جاتی ہے۔

(۴) موضوع یا کتاب وغیرہ کے متعلق دوسروں کی تحقیق پر تنقید یا اپنی تحقیق کے نتائج پیش کر کے ایک حتمی فیصلہ یا رائے دی جاتی ہے۔

(۵) کسی اور کی کتب وغیرہ کے متعلق عہد تصنیف کی دریافت و تعین مدلل پیش کی جاتی ہے۔ ساتھ ہی ان ماخذات کی نشاندہی بھی کر دی جاتی ہے جن سے مصنف نے استفادہ کیا ہوتا ہے۔

(۶) مرتبہ کتاب کا متن جس نسخے پر مبنی ہے اس کی اہمیت بیان کی جاتی ہے، نسخے کے انتخاب کی وجوہ اور اس کے مستند ہونے کے دلائل پیش کیے جاتے ہیں۔

(۷) موضوع سے متعلق خاص خاص نکات کی تشریح، عمومی حیثیت نہ رکھنے والے امور کی وضاحت کی جاتی ہے۔ جدید الفاظ و تراکیب یا اصطلاحات کے

معینہ مفہوم و معنی بتا دیے جاتے ہیں، املاء، رسم الخط، رموز اوقاف وغیرہ کی صراحت کر دی جاتی ہے۔

(۸) دوسرے مصنفین یا مؤلفین کے تسامحات بیان کر کے ان کی اصلاح کے پہلو بیان ہوتے ہیں۔ ماخذات کے مستند یا غیر مستند ہونے پر بحث کی جاتی ہے۔

مقدمہ نثر ہی میں لکھا جاتا ہے خواہ کتاب منظوم ہی کیوں نہ ہو، منظوم مقدمہ لکھنے کی روایت نہیں ملتی، علاوہ ازیں منظوم مقدمہ لکھنا آسان کام بھی نہیں ہے اور منظوم مقدمے میں مباحث کا احاطہ بھی کلیۃً نہیں کیا جا سکتا۔ مقدمہ مصنف کے علاوہ دوسرے حضرات سے بھی لکھوایا جا سکتا ہے۔

مقدمے میں ضمناً وہ امور بھی بیان کیے جا سکتے ہیں جو دیباچے سے متعلق ہوتے ہیں لیکن ان کے بیان کرنے کا انداز دیباچے سے مختلف ہوتا ہے۔

ڈاکٹر جمیل جالبی نے جب شاہد احمد دہلوی کے خاکوں کا مجموعہ ''گنجینہ گوہر'' مرتب کیا تو اس پر اپنے مقدمے کا آغاز ان سطروں سے کیا:

> ''یہ سطور لکھتے وقت میں سوچ رہا ہوں کہ ''گنجینہ گوہر'' جیسی اچھی کتابوں کو آخر مقدمے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ مقدمے کی ضرورت تو وہاں پڑتی ہے، جہاں مصنف نیا ہو اور اپنے فن اور شخصیت کے تعارف کا محتاج ہو۔ یہاں معاملہ اس کے برعکس ہے''۔

ڈاکٹر جمیل جالبی نے اگرچہ مقدمے کی باضابطہ تعریف تو نہیں کی، لیکن بالواسطہ طور پر انہوں نے یہ بتا دیا کہ مقدمہ کیا ہوتا ہے؟ چنانچہ ان کی رائے میں مصنف نیا ہو اور اس کی شخصیت اور فن سے لوگ ناآشنا ہوں اور اسے اپنی کتاب اور اپنی شخصیت کا تعارف مقصود ہو تو پھر کتاب پر مقدمہ لکھا جاتا ہے، لیکن اس کے برعکس

مقدمہ کی اصطلاح ادب کی دنیا میں اتنی عام ہے کہ بعض کتابوں کی شہرت مقدمہ بنی۔ مقدمہ ابن خلدون، فتح الباری کا مقدمہ ھدی الساری، مقدمہ ابن الصلاح اور اردو ادب میں ''مقدمہ شعر و شاعری'' جیسے نام بہر صورت مقدمہ کی معنویت وافادیت کے پہلو کو ضرور آشکارا کرتے ہیں، لیکن اس سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ مقدمہ میں دقیق علمی مباحث اور ضخامت کے اعتبار سے طوالت ہو تو پھر ہی مقدمہ کہلائے گا۔ ایک مختصر اور جامع تحریر جو ان امور کی تکمیل کرے جن کا اوپر ذکر ہوا، اسے بھی مقدمہ کیا جائے گا۔

درج بالا مقدمات تو وہ ہیں جو مصنف ہی کے تحریر کردہ ہیں مگر کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ کسی کی تالیف و تصنیف پر کوئی دوسرا مقدمہ لکھے۔ اس مقدمہ کی حیثیت ''مقدمۃ الجیش'' والی ہی ہوتی ہے کہ دوسرا کتاب کے مندرجات اور مصنف کے علمی قد کاٹھ پر اپنی رائے دیتا ہے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ مقدمہ تحقیقی، تنقیدی اور تاثراتی عناصر کا حامل ہوتا ہے۔ اس سے کتاب کی قدر و قیمت کا اندازہ ہوتا ہے۔

تقریظ:

تقریظ کے بارے میں یہ روایت ملتی ہے کہ عرب میں ظہور اسلام سے پہلے جب تمام لوگ خانہ کعبہ کی زیارت کو آتے تو ان میں شعراء بھی ہوتے تھے جو اس موقع کے لیے اپنے بہترین قصائد تیار کر لاتے۔ محفل سخن برپا ہوتی، تمام قصائد پڑھے جاتے اور صدر مجلس ان کے محاسن اور معائب پرکھتا اور بہترین قصیدہ کا انتخاب کرتا۔ یہ بہترین قصیدہ خانہ کعبہ کے دروازے پر معلق کر دیا جاتا تھا جو شاعر اور اس کے قبیلہ کے لیے بہت بڑا اعزاز ہوتا تھا، عربی ادب میں اب بھی ''سبع المعلقات'' کا ذکر ملتا ہے۔ زمانہ جاہلیت کی بہترین شاعری ان قصائد میں مضمر ہے۔ صدر مجلس جب کسی

قصیدے کے حق میں فیصلہ کرتا تو یہ فیصلہ یونہی اٹکل پچو نہیں ہوتا تھا بلکہ وہ قصیدہ کے موضوع کی اہمیت اجاگر کرتے ہوئے اس کے فنی محاسن اور اسلوب کی توصیف کرتا تھا اور یہی تقریظ ہوتی تھی، چنانچہ ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور نے ''روح تنقید'' میں تقریظ کا ذکر کرتے ہوئے یہی کچھ لکھا ہے:

''بازار عکاظ میں عرب شاعر اپنے اپنے کمال کو ظاہر کرنے اور ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے لیے جمع ہوتے تو ایک مستند علامہ صدر نشین بن کر ان کا کلام سنتا تھا، جب ہر قبیلے کا شاعر اپنا اپنا کلام سنا چکتا تو صدر نشین ان سب کے کلام پر اپنی رائے ظاہر کرتا۔ ہر شعر کے معائب ومحاسن کا اظہار کیا جاتا اور ایک شاعر کو دوسرے پر ترجیح دی جاتی۔ ایک کے کلام پر اعتراضات کی بوچھاڑ ہوتی اور جس کو ترجیح دی جاتی اس کے کلام کے محاسن دکھلانے پڑتے۔ اس توصیف وتنبیہہ کے عمل کو تقریظ کہا جاتا۔ اس زمانے میں لفظ تنقید یا انتقاد ان معنوں مین رائج نہ تھا۔ یہ قبل اسلام کا دور ہے۔ اسلام کے اثر نے عربوں مین غیر جانبداری اور صداقت پسندی کا بیج بو دیا تھا، جو تقریباً نصف صدی تک بار آور رہا۔ اس کے بعد جو زمانہ آتا ہے اس میں انصاف پسندی اور اعلیٰ مذاقی حرف غلط کی طرح محو ہو جاتی ہے، کچھ تو خوشامد، ابن الوقتی کی خاطر اور کچھ عام بد مذاقی کے سبب (جس کے اصلی باعث غیر متدین اور جاہل حکمران تھے) تقریظ، تقریظ نہیں رہتی بلکہ تعریف وتوصیف بن جاتی ہے یا تذلیل''۔

''کشاف تنقیدی اصطلاحات'' میں ڈاکٹر سید عبداللہ کا یہ قول درج کیا گیا ہے:

''تقریظ کسی ادب پارے کی تعریف وتحسین ہے، خیالی انداز میں..... گویا تقریظ کو تنقیدی تحسین سے ممیّز کرنے والی چیز خیالی انداز ہے''۔

عموماً تقریظ کتاب کے آخر میں ہوتی تھی مگر اب اس کا رواج ابتدا میں درج کرنے کا ہے، تقریظ مقدمہ اور پیش لفظ وغیرہ کی مترادف رہی ہے مگر عموماً اس سے صرف کتاب اور مصنف کی تعریف کا کام لیا جاتا رہا ہے۔ اگرچہ اب تقریظ کا لفظ متروک ہو چکا ہے مگر موجودہ مقدمے اور دیباچے تقریظ ہی کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔

تبصرہ:

لغت میں تبصرہ دکھانے اور سمجھانے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ عموماً کتاب کے متعلق کسی کی رائے کا اظہار تبصرہ کہلاتا ہے۔ یہ رائے مختصر بھی ہو سکتی ہے اور اس میں تنقید اور مداحی دونوں کا عنصر ہو سکتا ہے مگر جامعیت کی حامل ہونی چاہیے۔

زیرِ نظر کتاب میں ایسی تحریرون کو جمع کیا گیا ہے جو حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ نے مختلف کتابوں کے شروع میں لکھیں۔ کتاب کے عنوان ''مقدمات'' سے کسی کو اختلاف ہو سکتا ہے مگر راقم کے پیش نظر احمد ندیم قاسمی کی یہ رائے ہے:

''دیباچہ، مقدمہ، تمہید، پیش کلام، پیش لفظ، تعارف وغیرہ کے درمیان کسی قسم کا کوئی فرق، کم سے کم اردو کتابوں کی حد تک روا نہیں رکھا گیا۔ یہ لکھنے والے پر موقوف ہے کہ کتاب یا مصنف کے بارے میں وہ جو کچھ کہنا چاہتا ہے اس کا کیا عنوان رکھتا ہے''۔

☆☆☆☆

درج بالا مباحث کے لیے اقتباسات ''ارم سلیم'' کی کتاب اردو میں مقدمہ نگاری کی روایت'' (سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۸۸ء) سے لیے گئے ہیں۔

ان مقدمات کو جمع کرتے ہوئے یہ خیال رکھا گیا ہے کہ کتاب میں جو شہ سرخی دی گئی ہے اس کو بعینہ برقرار رکھا جائے تا کہ ریکارڈ بھی محفوظ رہے۔ ان تحریرات کو پڑھنے کے بعد مقدمہ نگاری میں حضرت جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری کے اسلوب مقدمہ نگاری کے درج ذیل نکات ذہن میں فوری آتے ہیں:

(ا) حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ کی تمام تحریریں اردو ادب کا ایک شاہکار ہوتی ہیں۔ ادبیت کا یہ نفیس ذوق ان مقدمات میں بھی عیاں ہے۔ تراکیب والفاظ کے بیان میں آپ کے ہاں ندرت وجدت نظر آتی ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ الفاظ وتراکیب آپ کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑے ہیں اور آپ انہیں اپنے حسین ذوق کے مطابق استعمال کرتے ہیں۔

چند مثالیں پیش خدمت ہیں:

(١) ''یہ لطیفہ غیبی جس کو قلب کہتے ہیں، جو مملکت جسم کا سلطان اور فرمانروا ہوتا ہے جب تک اسے لذت ذکر الٰہی نصیب نہیں ہوتی وہ افسردہ و پژمردہ رہتا ہے۔ حوادثات دہر کے طوفان تنکوں کی طرح اسے اڑاتے رہتے ہیں۔ نہ اسے کہیں قرار نصیب ہوتا ہے اور نہ سکون میسر آتا ہے۔ وہ ایک ایسی پتنگ ہے جس کی ڈور کٹ گئی ہے، اور جب کشور جسم کے سلطان کی پژمردگی، بے چینی اور اضطراب کا یہ حال ہو تو جسم کی دوسری قوتیں ظاہری اور باطنی، ان میں سکون و اطمینان کیونکر پایا جا سکتا ہے۔ زندگی کے سارے ماہ و سال فکر کی پراگندگی اور ذہن کی بے چینی کا مرکز بنے رہتے ہیں، نہ وہ اپنی منزل کا صحیح تعین کر سکتا ہے اور نہ وہ یکسوئی اور دل جمعی کے ساتھ اپنی خدا داد

قوتوں کو بروئے کار لا کر اپنی منزلِ حیات کی طرف پیش قدمی کر سکتا ہے۔ ساری عمر بھٹکتے بھٹکتے اور ٹھوکریں کھاتے بیت جاتی ہے اور جب اس کی زندگی کا چراغ بجھتا ہے تو ناکامی، نامرادی اور حسرت و یاس کے کانٹوں کے بغیر اس کے دامن میں کچھ بھی تو نہیں ہوتا۔"

(۲) "عالی مرتبت ڈاکٹر غلام جیلانی برق ملک کی ایک نامور شخصیت ہیں۔ قدرت کی فیاضیوں نے انہیں بے پناہ صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ عقل دقیقہ سنج، فکر گردوں سیر، عقابی نگاہ اور دل دردمند کے ساتھ ساتھ انہیں سیمابی فطرت بھی عطا فرمائی ہے، جس نے انہیں حسین سے حسین تر کی تلاش میں ہمیشہ سرگرداں رکھا۔ اس سفر میں ان کا گزر سنسان صحراؤں، چٹیل میدانوں، کٹھن گھاٹیوں سے ہوا اور ان کی راہ میں ایسے سلسلہ ہائے کوہ بھی آئے جن کی بلندیاں تھکا دینے والی، جن کے بے کیف مناظر اکتا دینے والے تھے، لیکن ان کی جولانیوں میں ذرا فرق نہ آیا۔ جہاں کہیں سے ان کا گزر ہوا انہوں نے اپنے مشاہدات، احساسات اور تاثرات کو بڑی جرأت، دیانت اور سنجیدگی سے پیش کیا۔ بعض مقامات پر ان سے شدید اختلافات کے باوجود ان کا قاری ان کے جگر سوختہ سے اٹھنے والے دھوئیں کی تمازت محسوس کئے بغیر نہ رہ سکا۔"

(۳) "آپ ﷺ کی سیرت طیبہ کا ہر پہلو چودھویں کے چاند سے زیادہ روشن ہے۔ شاہراہِ حیات پر آپ کا ہر نقش قدم سالکان راہ محبت و وفا کے لئے خضر راہ ہے۔ اس میں جمال بھی ہے اور جلال بھی، سمندر کی طرح اس

میں گہرائی بھی ہے اور وسعت بھی۔ اس دور میں جب کہ شکوک وشبہات کے بھونچال ایمان و یقین کے قلعوں میں شگاف ڈال رہے ہیں، اس بزم رنگ و بو میں آپ کی تشریف آوری بڑی برکتوں کا باعث تھی۔''

(۴) ''ہجر حبیب میں آنسوؤں کی لڑیاں پرونے والے، درد فراق سے ماہی بے آب کی طرح تڑپنے والے، اپنی شب کی تنہائیوں کو آہوں سے آباد رکھنے والے، جب آئینہ دل کو ہر قسم کے غبار اور کدورتوں سے صاف و شفاف کر لیتے ہیں تو محبوب کا عکس جمیل قلب جمیل کی بے تابیوں کو دلاسہ دینے کے لئے تجلی فرماتا ہے۔ اس وقت نقاب اُلٹ دیئے جاتے ہیں۔ مغائرت ختم ہو جاتی ہے، مسافتوں کی دُوریاں سمٹ جاتی ہیں۔ محبوب کریم کی بارگاہِ رحمت سے لطف واحسان کے موتی لٹائے جاتے ہیں۔ معرفت وحکمت کے سدا بہار پھولوں سے ان کا دامن طلب بھر دیا جاتا ہے، اور جب ان کا قلم صفحہ قرطاس پر رقم طراز ہوتا ہے تو بارگاہِ حُسن سے مضامین کا القاء ہونے لگتا ہے۔ اس شراب طہور کی تقسیم کے لئے الفاظ کے جام وسبو بھی مخزن رحمت سے مہیا کئے جاتے ہیں۔''

(۵) ''اللہ تعالیٰ کے ذکر اور عبادت کے بعد سب سے افضل اور ارفع کام مدحت ممدوح رب العالمین ﷺ ہے۔ اس عملِ خیر کے تخلیقی، تعمیری اور تطہیری اثرات، زندگی کے دامن کو مقصدیت ومعنویت سے معمور کر دیتے ہیں۔ انسان کو راہ راست پر ثابت قدمی اور استقامت کی نعمت ارزانی فرمائی جاتی ہے، اس کے حوصلوں کو نیا ولولہ اور اس کے عزائم کو

تسخیر کے نئے افق عطا ہوتے ہیں۔ خلوص، ایثار، منزل سے والہانہ محبت، انسان میں ایک ایسا انقلاب برپا کر دیتی ہے جو اس کو سراپا رحمت ورافت بنا دیتا ہے، لیکن یہ سعادت ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتی۔ نگاہ کرم جن دلوں کو اس انعام کے لیے چن لیتی ہے وہی اس سعادت سے بہرہ اندوز ہوتے ہیں۔

حضور نبی کریم ﷺ کا سب سے بڑا مداح خود پروردگار عالم ہے۔ حق تو یہ ہے کہ مدح وتوصیف کا حق اس کے بغیر کوئی ادا ہی نہیں کر سکتا۔ جس رب قدوس نے اپنے محبوب ﷺ کو یہ رفعتیں، یہ شانیں، یہ کمالات، یہ اخلاق حسنہ اور علم کی بیکرانیاں مرحمت فرمائی ہیں، وہی ان کے کیف وکم کو جانتا ہے اور اسی کا کلام بلاغت نظام ان اوصاف وکمالات کو صحیح طور پر بیان کر سکتا ہے۔

جب وہ فرماتا ہے "**عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم بالمومنین رؤف رحیم**"۔

یعنی "جو چیز تمہیں تکلیف دیتی ہے وہ اس پر بہت گراں ہے، وہ تمہاری ہدایت کے لیے حریص ہے اور اہل ایمان پر بڑا مہربان اور رحیم ہے"۔

تو صرف اسی وقت اس راز سے پردہ اٹھتا ہے کہ نبی مکرم کے قلب مبارک میں اپنے غلاموں کے لیے ہمدردی کا جذبہ کس قدر فراواں ہے۔ اس کے خیر اندیشی کے جذبات کی بیتابیوں کا کیا حال ہے؟ اور اپنے ماننے والوں کے لیے رافت ورحمت کے کتنے سمندر ان کے سینہ میں ٹھاٹھیں مار رہے ہیں۔ اس نیر اعظم ﷺ کی تابانیوں اور ضیا پاشیوں کا صحیح اندازہ اسی

وقت لگایا جاسکتا ہے جب ہم اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان سنتے ہیں "داعیاً الی اللہ باذنہ و سراجاً منیرا۔" (وہ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے والا ہے، وہ آفتاب ہے جس کی کرنیں جس پر پڑتی ہیں، اسے روشن اور تابناک بنادیتی ہیں۔)"

(ب) بعض اوقات آپ کتاب کے موضوع کے پس منظر کے حوالہ سے بعض حقائق کا ذکر کرتے ہیں کہ کتاب کی اہمیت وضرورت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔

سید عبدالرحمٰن بخاری کی کتاب کا یہ اقتباس قارئین کی نذر ہے:

"موجودہ دور کے قانون دانوں اور قانون سازوں کو یہ غرور ہے کہ جو قانون انہوں نے مدوّن اور مرتب کیے ہیں ان میں نوع انسانی کی انفرادی اور اجتماعی فلاح و بہبود کا قدم قدم پر لحاظ رکھا گیا ہے۔ کوئی ایسا قانون وضع نہیں کیا گیا جس میں انسان کی جبلی صلاحیتوں اور فطری استعدادوں کی نشو ونما کا خاطر خواہ اہتمام نہ کیا گیا ہو۔ اس کے برعکس اسلامی شریعت اور دیگر آسمانی شریعتوں میں انسانی معاشرہ کی مصلحتوں اور مفادات کا کوئی خیال نہیں رکھا جاتا، اس لئے ان کا خیال ہے کہ اس ترقی یافتہ دور میں ایسے قوانین کو معاشرہ پر مسلط کرنا کسی طرح قرین انصاف نہیں بلکہ شرف انسانیت کی کھلی توہین ہے۔ ایسا کرنے سے کاروانِ انسانیت آگے نہیں بڑھے گا بلکہ رجعت قہقری پر مجبور ہو جائے گا۔

اس قسم کی غلط فہمیوں میں وہ تمام اربابِ دانش اور ماہرینِ قانون مبتلا ہیں جنہوں نے شریعتِ اسلامیہ کا گہری نظر سے مطالعہ کیے بغیر اس کے

بارے میں خود ساختہ نظریات کو اٹل تسلیم کر لیا ہے، اور ان نظریات کو تنقیدی نگاہ سے دیکھنے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کرتے۔
اس کتاب کے مصنف نے مقدمہ میں اس موضوع پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ انہوں نے قوی دلائل سے ثابت کیا ہے کہ شریعت اسلامیہ کا کوئی قانون ایسا نہیں جس میں اس کے ماننے والوں کی مصلحتوں اور مفادات کو پیش نظر نہ رکھا گیا ہو۔''

(ج) دعاء بندہ مومن کا سب سے بڑا ہتھیار ہے۔ اخلاص وللّٰہیت سے دوسرے مسلمان کے لیے کی گئی دعاء ہر صورت میں قبول ہوتی ہے۔ حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری کے تقدیمی کلمات میں دوسروں کے لیے دعائیہ کلمات لکھنے کا رجحان نظر آتا ہے۔ چند مثالیں پیش خدمت ہیں:

(i) پروفیسر حبیب اللہ چشتی کے لئے آپ نے لکھا: ''اللہ تعالیٰ آپ کو اس سے بھی زیادہ ارفع واعلیٰ مقام پر فائز کرے، ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد''۔ ایسے ہی الفاظ مولانا ظہور احمد بروہی کے لیے لکھے۔

(ii) سید عبدالرحمٰن بخاری کی کتاب ''اسلامی قانون کا نظریہ مصلحت'' کے مقدمہ میں لکھا: ''ہم اللہ تعالیٰ سے بصدق دل التجا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سید صاحب کی اس سعی کو مشکور فرمائے اور ہمیشہ اپنی خصوصی توفیقات سے ان کی دستگیری فرمائے تا کہ ان کا رہوار قلم تحقیق کرتے وقت صراط مستقیم پر گامزن رہے۔''

(iii) حضرت مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری کی کتاب پر یوں دعائیہ کلمات تحریر فرمائے:

''اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے اور تمام اہل سنت و جماعت کی طرف سے حضرت فاضل علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری کو انصاف پسند لوگوں کے سامنے اہل سنت و جماعت کے عقائد کی وضاحت اور تشہیر پر جزائے خیر عطا فرمائے، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ بے کس پناہ میں ہماری دعا ہے کہ ہماری ناگفتہ بہ حالت زار پر رحم فرمائے، اور ہمیں اتحاد کی دولت نصیب فرمائے اور ہمیں اتحاد اسلامی کے لئے اخلاص عطا فرمائے، یہاں تک کہ شکوک وشبہات دور ہو جائیں اور امت مسلمہ دورِ سعادت وخوش بختی کی طرف لوٹ جائے۔''

اس اسلوب سے ظاہر ہوتا ہے کہ اہل قلم کے لیے دعا کتنی اہم ہے۔ قلم کاروں کی بے احتیاطی سے امت میں پیدا ہونے والے اختلافات سب کے سامنے ہیں۔

(د) حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری کی شخصی خوبیوں میں ایک یہ بھی تھی کہ وہ دوسروں کی حوصلہ افزائی کرتے، چھوٹے سے کام پر بے حد تعریف کرتے۔ دور حاضر کے محققین کی طرح ہر وقت نشتر تنقید تھامے نہیں ہاتھ میں رکھتے تھے۔ اگر چہ آپ کے حوصلہ افزائی کے اس دلربا انداز کی وجہ سے بعض لوگ اپنی تحقیق پر گھمنڈ میں بھی مبتلا ہو جاتے مگر اس سے جذبۂ تحقیق وجستجو میں اضافہ بھی ہوتا۔ یہ عزت افزائی اور حوصلہ دینے کی روش چھوٹوں اور بڑوں، دونوں کے لیے یکساں آپ کی تحریروں میں پائی جاتی ہے۔ طالب ہاشمی کے لیے الفاظ ملاحظہ فرمائیں: ''اگر یہ کہا جائے کہ جناب طالب ہاشمی کا نام اور تاریخ اسلام کا موضوع آج لازم وملزوم کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں تو

اس میں کسی مبالغے کا شائبہ نہ ہوگا۔اس دعوے کا ثبوت یہ ہے کہ جناب طالب ہاشمی نے گزشتہ ربع صدی کے دوران میں تاریخ اسلام کے متعدد اہم پہلوؤں پر نہایت بلیغ پیرائے میں جو گرانقدر معلومات فراہم کی ہیں انہوں نے اردو ادب کے دامن کو مالا مال کر دیا ہے۔''

''حیات جان'' کائنات کے مصنف آپ کے شاگرد ہیں۔ان کا حوصلہ بڑھانے کے لیے یہ الفاظ تحریر کیے:''عزیز گرامی خالد محمود صاحب طالب علمی کے زمانے سے دقت نظر اور تحقیق حق کے جذبہ سے سرشار رہے ہیں۔حصول علم کے بعد جب سے انہوں نے تدریس کے فرائض سنبھالے ہیں ان کا یہ ذوق نکھر کر سامنے آ گیا ہے۔متعدد اہم اور مشکل موضوعات پر انہوں نے خامہ فرسائی کی ہے اور ہر موقع پر انہوں نے اپنے قارئین کے دلوں کو موہ لیا ہے۔ان کے قلوب واذہان کو تشکیک کے کانٹوں سے پاک کر کے یقین کے نور سے منور کر دیا ہے۔''

تسہیل الصرف میں اپنے ہی شاگرد جناب حافظ محمد خاں نوری کی خدمات کو استاد کا خراج تحسین ملاحظہ فرمائیں:

''سالہا سال کی جدوجہد کا اولین ثمر ''تسہیل النحو'' کی صورت میں ہم علوم عربیہ کے طلبہ کی خدمت میں بتوفیقہ تعالیٰ پیش کر رہے ہیں۔عزیز القدر مولانا حافظ محمد خان صاحب نوری جو ۱۹۵۷ء میں دارالعلوم میں داخل ہونے والے پہلے طالب علم تھے انہوں نے ۱۹۶۷ء میں سند فضیلت حاصل کی۔میں نے ان کو صرف ونحو جیسے ادق اور غیر دلچسپ علوم کی تدریس کی ذمہ داری تفویض کی،اسلام کے اس جانثار سپاہی،علوم دینیہ

کے اس جانباز خادم نے ان علوم کی تدریس کا حق ادا کر دیا۔ جن طلباء نے یہ علوم ان سے پڑھے ہیں ان کی اپنی ایک امتیازی شان ہے۔ ان کی اس شبانہ روز سعی پیہم کا شیریں ثمر ان کے کثیر تلامذہ بھی ہیں جو ان سے فیضیاب ہوئے اور ان کی یہ تالیف "تسہیل النحو" بھی ہے جو علم نحو کے طلبہ کے لئے انہوں نے مرتب کی ہے۔ ادارہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور بصد شوق و ذوق طبع کر کے طلبہ کی خدمت میں پیش کر رہا ہے۔

علم نحو کے ادق اور پیچیدہ مسائل کو جس مہارت اور جامعیت کے ساتھ انتہائی دلکش اور دلآویز انداز میں پیش کیا گیا ہے میری دانست کے مطابق اردو زبان میں اس پایہ کی کوئی دوسری کتاب نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ اس کتاب کو پڑھنے کے بعد کوئی طالب علم یہ شکایت نہیں کرے گا کہ یہ علم بہت مشکل ہے اور انداز بیاں کی یبوست نے اسے ناقابل فہم بنا دیا ہے۔ اس ایک کتاب کے سمجھ کر پڑھنے اور سمجھ کر ازبر کر لینے سے طلبہ کو اس فن میں نہ صرف مہارت حاصل ہو جائے گی بلکہ اس علم سے ان کو قلبی انس پیدا ہو جائے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔"

محمد متین خالد کے لیے آپ نے لکھا:

"ان حالات میں عزیزی محمد متین خالد کا وجود ایک نعمت مترقبہ سے کم نہیں۔ وہ دینی حلقوں بالخصوص تحفظ ختم نبوت کے محاذ پر کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔ انہیں مسئلہ ختم نبوت سے جو لگاؤ اور انس ہے، وہ کسی سے ڈھکا چھپا نہیں۔ آج کے نوجوانوں میں قادیانیت کا اتنا ماہر اور اس کے متعلق نئی

معلومات سے باخبر شاید اور کوئی نہیں۔ تحفظ ختم نبوت پر ان کی متعدد کتابیں شائع ہو کر دوام شہرت پا چکی ہیں جو ان کے عشق رسول ﷺ پر شاہد ہیں، اب ان کی تازہ تصنیف ''ثبوت حاضر ہیں'' منظر عام پر آ رہی ہے۔ میں نے اس کتاب کے مسودہ کو اپنی مصروفیات اور ناسازی طبع کے باوجود بڑے غور سے پڑھا۔ مزید براں انہوں نے زبانی طور پر بھی مجھے اس کتاب کے بارے میں بتایا۔

قادیانیت ایسے سنگین فتنہ کو سمجھانے کا یہ انداز، یہ تخیل، یہ فکر، اور یہ اسلوب بالکل نیا ہے، جس کی مثال شاید پہلے سے موجود نہیں ہے۔ انہوں نے جس چھان پھٹک اور تحقیق سے قادیانیت کے سربستہ رازوں سے پردہ اٹھایا اور پوشیدہ گوشے بے نقاب کئے ہیں، اسے تمام دینی حلقوں میں یقینی طور پر سراہا جائے گا اور ہمیشہ یاد رکھا جائے گا اور انہیں اپنی محنت کی داد ملتی رہے گی۔''

(۵) اگر ایسی کتاب پر مقدمہ لکھا جو کسی دوسری زبان سے اردو میں ترجمہ ہوئی ہو تو پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ مصنف کتاب کا جامع تعارف کرواتے ہیں، جس میں مصنف کی علمی وجاہت اور روحانی عظمت کا تذکرہ ہوتا ہے۔ کشف المحجوب اور قصیدہ اطیب النغم اس کی مثالیں ہیں۔ ایسے موقع پر مترجم کی اہلیت و قابلیت کا ذکر بھی فرماتے ہیں تاکہ قاری کو اندازہ ہو جائے کہ کتاب کا مفہوم ہی دوسری زبان میں حقیقی طور پر منتقل ہو رہا ہے مترجم کی آراء و خیال نہیں۔ ریاض الصالحین کے

مترجم کا تعارف بایں الفاظ کروایا:

''علامہ عبدالرسول ارشد کی شخصیت علمی حلقوں میں معروف ومقبول ہے۔ یہ دارالعلوم محمدیہ غوثیہ کے قابل فخر طلبہ میں سے ہیں۔ علوم دینیہ کی تکمیل کے ساتھ ساتھ انہوں نے عربی اور اسلامیات میں ایم۔اے کیا ہے اور اس کے علاوہ قدرت نے ان کو جو فہم رسا اور ذہن نکتہ سنج کے ساتھ ساتھ فصاحت وبلاغت کے جوہر سے نوازا ہے یہ ان پر اللہ تعالیٰ کا خصوصی لطف وکرم ہے۔ وہ اس احسان عظیم کا شکریہ اس طرح ادا کر رہے ہیں کہ انہوں نے اپنی زندگی کو دین اور علوم دینیہ کی خدمت کے لیے وقف کر دیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ ریاض الصالحین کے قارئین جب ان کا یہ ترجمہ پڑھیں گے تو وہ اس طرح محظوظ ہوں گے جس طرح عربی کے ماہر حضرات اس کے عربی متن کو پڑھ کر لطف اندوز ہوتے ہیں۔''

(و) تقریظ/تقدیم کے اختتام پر عموماً آپ نے تاریخ بھی لکھی ہے، اور اپنے لیے عجز وانکساری کے الفاظ تحریر کیے۔ جیسے العبد المسکین، خادم العلماء، فقیر، وغیرہ۔ موضوع کے مطابق اظہار نسبت کے لیے بھی ایسے الفاظ منتخب کیے جو مقدمہ نگار کی عاجزی کی تصویر پیش کرتے ہیں، جیسے خاک راہ بستگان فتراک حبیب خدا، نیازکیش پیر سیال، خاک راہِ صاحبدلاں، چھوٹوں کے لیے دعاء گو کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔

☆☆☆☆

کریم پروردگار کا شکر گذار ہوں کہ توفیقات الہیہ سے ''مقدمات'' کی ترتیب وتدوین کا یہ کام مکمل ہوا۔ میرے شیخ محمد کریم سلطانی مدظلہ العالی (آپ پہلی شخصیت ہیں جن کو دیکھ کر میرے دل میں حضرت ضیاء الامت رحمۃ اللہ علیہ کی محبت پیدا ہوئی۔ سچ ہے درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے) اور والدین (جن کی عنایات اور دعائیں ہمیشہ مشکلات کو قطع کرنے کا ذریعہ بنیں) کا احسان مند ہوں کہ میری ہر موڑ پر دستگیری کی۔ اس کام کی تکمیل نہ ہوسکتی اگر برادرم پروفیسر حبیب اللہ چشتی اور حافظ محمد اکرم ساجد تعاون نہ کرتے۔ راقم ان کے پرخلوص تعاون کو تحسین و قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ جناب احسان الحق صدیقیؒ نے اس کی اشاعت کے لیے تگ و دو کی۔ جن مصنفین، ناشرین کی کتب سے یہ مواد اکٹھا کیا گیا ان کے حوالہ جات اپنے مقام پہ موجود ہیں۔ مگر ان کا شکریہ ادا کرنا میرا فریضہ ہے، ان کا بھی شکر گزار ہوں۔ برادرم محمد فاروق حیدر، حافظ محمد نعیم، ڈاکٹر محمد اکرم ورک، علامہ غلام مصطفیٰ القادری کے محبت آمیز مشوروں سے اس سلسلہ جمع وترتیب کو مفید بنانے میں مدد ملی۔

واضح رہنے کہ اگر کہیں مقدمات میں الفاظ کو نقل کرتے ہوئے کوئی ایسی غلطی ہوئی ہو جس سے اسلام کے کسی اجتماعی نقطہ نظر سے تضاد ظاہر ہو رہا ہو تو اسے کاتب، کمپوزر (جس نے اصل کتاب کا مقدمہ کتابت رکمپوز کیا) اور مرتب کا سہو سمجھا جائے۔ حضرت ضیاء الامت رحمۃ اللہ علیہ کے عقائد وافکار اور نظریات سمجھنے کے لئے ضیاء القرآن، ضیاء النبی اور سنت خیر الانام کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

ربنا تقبل منا انک انت السميع العليم

اللهم صل وسلم وبارک علی طور التجلیات الاحسانیة

ومهبط الانوار الرحمانیة

عبدک و حبیبک محمد

وعلی اله واصحابه ومن احبه واتبعه الی یوم الدین

نیاز کیش حضرت ضیاء الامت

محمد ہمایوں عباس شمس

شعبہ اسلامیات، جی سی یونیورسٹی، لاہور

جنوری ۲۰۰۹ء/۱۴۳۰ھ

☆☆☆☆

حیات وخدمات حضرت جسٹس پیر محمد کرم شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے مآخذ

کتب:

☆ اجالوں کا نقیب — محمد عمران چوہدری
سنی پبلی کیشنز، پاکستان

☆ ایک ہمہ جہت شخصیت
جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری — صاحبزادہ خورشید احمد گیلانی
مکتبہ جمال کرم، لاہور

☆ تجلیات ضیاء الامت — محمد اکرم ساجد
ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور

☆ حضور ضیاء الامت ہمہ جہت شخصیت — محمد الیاس چشتی
انجمن غلامن چشتیہ، وزیر آباد

☆ جمال کرم — پروفیسر احمد بخش
ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور

☆ خوشبوئے کرم — سید زاہد صدیق شاہ
ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور

☆ دانائے راز — شہباز احمد چشتی

☆ تجديد الفكر الديني في جهود العلامة
محمد کرم شاہ الازہری — ڈاکٹر محمد منیز الازہری

☆ رشک زمانہ لوگ — صاحبزادہ خورشید احمد گیلانی
خورشید گیلانی ٹرسٹ، لاہور

☆ ضیاءالامت کا حسن تحریر — طارق اسماعیل ساگر
ضیاءالقرآن پبلی کیشنز، لاہور

☆ کرم ہی کرم — خان محمد قادری
مکتبہ جمال کرم، لاہور

☆ مقدمہ مقالات — پروفیسر احمد بخش
ضیاءالقرآن پبلی کیشنز، لاہور

☆ Zial-ul-ummat — محمد انوار الحق
زاویہ فاؤنڈیشن، لاہور

☆ اعلیٰ حضرت بریلوی اور حضرت ضیاءالامت — سید صابر حسین شاہ بخاری

رسائل وجرائد:

☆ ماہنامہ......اخبار اہلسنت — مئی ۱۹۹۸ء

☆ ماہنامہ......پیر ٹائمز — مئی ۱۹۹۸ء

☆ ماہنامہ......خوشبوئے کرم گجرات — جنوری رفروری ۲۰۰۸ء

☆ مجلّہ جمال کرم، لاہور — حضور ضیاءالامت اور تعلیم۔۱۴۲۷ھ

☆ مجلّہ جمال کرم، لاہور — اتحاد امت اور ضیاءالامت۔۱۴۲۸ھ

☆ مجلّہ جمال کرم، لاہور — حضور ضیاءالامت کی علمی خدمات۔۱۴۲۹ھ

☆ مجلّہ جمال کرم، لاہور — تفسیر ضیاءالقرآن نمبر ۱۴۳۰ء

☆ سیریل......شاہین بھیرہ — دارالعلوم محمدیہ غوثیہ نمبر ۱۹۹۴ء
☆ سیریل......شاہین بھیرہ — ضیاء الامت نمبر
☆ صبح نور فیصل آباد — ضیاء الامت نمبر ۱۹۹۸ء
☆ ضیائے حرم، بھیرہ — ضیاء الامت نمبر ۱۹۹۹ء
☆ ماہنامہ ضیاء الاسلام، لاہور — ضیاء الامت نمبر

اخبارات:

☆ روزنامہ نوائے وقت، لاہور — ۱۵رمئی ۱۹۹۸ء
☆ اوصاف، اسلام آباد — ۱۷رمئی ۱۹۹۸ء
☆ نوائے وقت، لاہور — ۱۲رمارچ ۱۹۹۹ء
☆ روزنامہ پاکستان، اسلام آباد — ۱۱رمارچ ۲۰۰۰ء
☆ روزنامہ پاکستان، اسلام آباد — ۳رفروری ۲۰۰۳ء
☆ روزنامہ انصاف، لاہور — ۱۸رفروری ۲۰۰۶ء

☆☆☆☆

قرآنیات

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ

ہم نے اس قرآن کو سمجھنے کے لیے آسان کر دیا پس ہے کوئی جو اسے سمجھے!

تعارف

از: حضرت مولانا پیر محمد کرم شاہ ازہری

بِسْمِ اللهِ الرَّحمٰنِ الرَّحِيمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهُ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنْ لَّا نَبِيَّ بَعْدَهُ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ

جامعہ اسلامیہ، بہاول پور کے سالانہ امتحانات کے سلسلہ میں مجھے جامعہ جانے کا اتفاق ہوا تو مجھے حضرت رئیس الجامعہ کے ایک علمی شاہکار (فیوض القرآن) سے مستفید ہونے کا موقع بھی ملا۔

محترم ڈاکٹر صاحب سے میرا تعارف عرصہ سے ہے۔ میں ان کے اخلاق کریمانہ اور ان کی دل ربا شخصیت سے مدت سے خوب واقف ہوں لیکن مجھے تا ہنوز یہ علم نہ تھا کہ یہ دبلا پتلا نازک سا جسم ایک ایسی روح کا مسکن ہے جو بحر علم و حکمت کی گہرائیوں میں غواصی بھی کرتا ہے اور معرفت و حقیقت کی بلندیوں میں پر کشا بھی رہتا ہے۔ اور ان کے سینہ میں وہ دل ہے جس میں عشق مصطفوی کا چراغ روشن ہے جو ان

کے فکر و وجدان کے گوشہ گوشہ پر نور برسا رہا ہے۔

جب میں نے فیوض القرآن کو پڑھنا شروع کیا تو پڑھتا ہی چلا گیا۔ اس ترجمہ کا ہر جملہ موزوں، ہر فقرہ دل نشین، حشو و زوائد سے یکسر پاک، مطالب و اسرار کا جامع۔ محترم ڈاکٹر بلگرامی صاحب نے قرآن کریم کے ان حقائق کو بے نقاب کر دیا ہے جو بہت کم کسی کو اپنے ہاں اذن باریابی دیتے ہیں۔ شریعت کا دامن بھی کہیں چھوٹنے نہیں پایا اور معرفت کے ان رموز و نکات کو بیان کرنے میں بھی بخل سے کام نہیں لیا جنہیں اب زمانے کے شدید تقاضے پردہ کشائی پر مجبور کر رہے تھے لیکن وہ اظہار کے لیے کسی محتاط اور سلیقہ مند قلم کے منتظر تھے۔

آپ نے اپنے دیباچہ میں دور حاضر کے متعلق بڑی وزنی بات کہی ہے کہ یہ دور دیگر تمام ادوار سے پیچیدہ اور مذہبی معاملات میں کافی حد تک سطحیت پر اکتفاء کرنے کا خوگر ہے۔

اس لیے اس امر کی اشد ضرورت تھی کہ قرآن کریم کو ایسے سادہ، پر مغز اور مؤثر انداز میں پیش کیا جائے کہ مختصر سے وقت میں، تھوڑی سی توجہ سے پڑھنے والے پر قرآنی مطالب کھلتے اور دل میں اترتے چلے جائیں۔ ڈاکٹر صاحب قبلہ کی یہ کاوش یقیناً اس ضرورت کو پورا کرے گی۔

نیز آپ نے آیت کا ربط آیت سے، سورۃ کا سورۃ اور منزل کا منزل سے اس منفرد پیرایہ میں بیان کیا ہے کہ اسے فیوض القرآن کی خصوصیات میں شمار کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ ڈاکٹر صاحب قبلہ کی اس جلیل و جمیل سعی کو مشکور فرماوے اور اس تلمیذ ارشد کو اپنی خصوصی نوازشات سے سرفراز فرمادے جس نے اپنے مربی اور مرشد

کی اس علمی اور روحانی امانت کو اس طرح ادا کیا جس طرح ادا کرنے کا حق تھا۔ اور ان کی ذات سے ملت کو جو عظیم امیدیں وابستہ ہیں اللہ تعالیٰ انہیں بھی اپنے حبیب مکرم ﷺ کے طفیل پورا فرمائے۔

ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

محمد کرم شاہ

من علماء الازہر الشریف

سجادہ نشین، بھیرہ، ضلع سرگودھا

۹؍ربیع الثانی ۱۳۸۷ھ

۱۸؍جولائی ۱۹۶۷ء

فیوض القرآن، مرتبہ ڈاکٹر سید حامد حسن بلگرامی

جلد ۱، ص: م، ن

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

پیش لفظ

جسٹس پیر محمد کرم شاہ جج فیڈرل شریعت کورٹ، پاکستان
پرنسپل دارالعلوم محمدیہ غوثیہ، بھیرہ (ضلع سرگودھا)

ہمارے معاشرہ میں کاروباری طبقہ کے بارے میں یہ تاثر عام ہے کہ یہ لوگ مال و دولت کے حصول میں اس قدر روارفتہ ہوتے ہیں کہ حلال وحرام اور جائز و ناجائز کے درمیان تفریق ان کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتی وہ ہر اس طریقہ کو اپنانے میں کوئی قباحت محسوس نہیں کرتے جس سے ان کی دولت میں اضافہ ہو اور ان کی صنعت و حرفت کو چار چاند لگنے کا امکان ہو خواہ وہ طریقہ بددیانتی اور احکام الٰہی سے انحراف کا ہی طریقہ کیوں نہ ہو۔

لیکن یہ نظریہ کلی طور پر درست نہیں اس مادیت گزیدہ دور میں بھی ایسی ہستیاں موجود ہیں جن کا کاروباری کردار بھی مشک و عنبر سے زیادہ خوشبودار ہے۔ اس قسم کے لوگ جن سے میں متعارف ہوں ان میں الحاج چوہدری نذر محمد صاحب اور ان کے برادران (سروس انڈسٹریز) کا نام سرفہرست ہے۔ اس افراتفری کے دور میں

سیرت کی یہ پختگی اور اخلاق کی یہ بلندی فقط انہیں نصیب ہوتی ہے جن پر اللہ تعالیٰ کا خاص احسان ہوتا ہے اور شاید اسی نیک نفسی کا یہ صلہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چوہدری نذر محمد صاحب کے دل میں اپنی کتاب کے مطالعہ کا ذوق پیدا کیا، اسرار و معارف کے اس بحرِ بے پیدا کنار میں انہیں غواصی کی ہمت عطا فرمائی اور ان کے دامن طلب کو حقائق کے چمک دار موتیوں سے بھر دیا جو احکام القران کی صورت میں ہمارے سامنے موجود ہے۔

ہم سب کا یہ عقیدہ ہے کہ یہ کتاب، کتاب ہدایت ہے۔ اس کی کرنوں سے انسانی زندگی کا ہر گوشہ روشن ہو رہا ہے۔ جو لوگ اس نور میں زندگی کا سفر طے کرتے ہیں منزل مراد تک رسائی کی سعادت انہیں ہی نصیب ہوتی ہے۔ لیکن اس سے پوری طرح فائدہ اٹھانا آسان کام نہیں۔ محترم چوہدری صاحب نے ہر شعبۂ حیات کے لیے قرآنی ہدایات کو اس طرح مرتب کر دیا ہے کہ اگر انسان نیک نیتی سے قرآن کریم سے استفادہ کرنا چاہے تو کوئی حجاب درمیان میں حائل نہیں رہتا۔ انہوں نے انسانی زندگی کو معتقدات، عبادات، معاملات اور اخلاقیات میں تقسیم کیا ہے۔ پھر ہر عنوان کے ذیلی عنوان قائم کیے ہیں اور ہر عنوان کے تحت اپنے علم کی حد تک وہ تمام آیات قرآنی جمع کر دی ہیں جن کے انوار سے زندگی کا یہ گوشہ انکار، بے یقینی یا تشکیک کے اندھیروں سے پاک ہو جاتا ہے اور ہر آیت کو لکھتے ہوئے انہوں نے نزول آیات کی زمانی ترتیب کو پیش نظر رکھا ہے یعنی اس عنوان سے متعلق جو آیت سب سے پہلے نازل ہوئی اس کو سب سے پہلے لکھا اور اس کے بعد نازل ہونے والی آیات کو ترتیب سے وار اپنے قاری کے سامنے پیش کر دیا۔ یہ کوئی آسان کام نہیں ہے۔ سالہا سال کی دیدہ ریزی، جگر کاوی اور عمیق مطالعہ کا شیریں ثمر ہے۔

مجھے حیرت ہوتی ہے کہ اپنی اتنی مصروف زندگی میں سے انہوں نے اس عظیم کام کے لیے فرصت کے لمحے کیسے نکال لیے، اس کے بارے میں یہی کہا جا سکتا ہے

ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء و اللہ ذو الفضل العظیم۔

میری دلی دعا ہے اللہ تعالیٰ اپنے حبیب مکرم ﷺ کے طفیل محترم چوہدری صاحب کی اس کاوش کو شرف قبولیت عطا فرمائے اور اس کے قارئین کو راہ ہدایت پر ثابت قدمی سے گامزن ہونے کی توفیق بخشے آمین ثم آمین۔

مخلص

(محمد کرم شاہ)

اسلام آباد

۳ جمادی الثانی ۱۴۰۳ھ

۱۹۔ مارچ ۱۹۸۳ء

تقریظ

قرآن کریم ایک بحر بے کنار ہے اس کا ہر پہلو اتنا دلکش ہے کہ اپنے پڑھنے والوں کو مسحور کر دیتا ہے۔ اس گلستان معنی میں گل چینی کرنے والوں نے عمریں گزار دیں۔ لیکن کسی نے یہ نہ کہا کہ میں نے سب پھول چن لیے ہیں بلکہ سب نے عجز کا اعتراف کیا۔ اور ان کا یہ اعتراف تواضع و انکساری کی وجہ سے نہ تھا۔ بلکہ اظہار حقیقت ہے۔ مولانا سید غلام حسین صاحب نے قرآن کریم کی جو تفسیر سراج منیر لکھی ہے۔ میں نے اس کے چند اوراق کا مطالعہ کیا۔ موصوف نے اپنی فہم و ادراک کے مطابق نہایت ہی آسان اور اردو میں تفسیر قران لکھنے کی سعی بلیغ کی ہے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی اس سعی کو قبول فرمائے اور اپنے محبوب کریم رحمت دو عالم ﷺ کے طفیل سے اپنی رضا کا باعث بنائے۔ آمین ثم آمین۔

حضرت موصوف ستائیس پشتوں سے مفسر قرآن چلے آ رہے ہیں۔ مصنف کے آباؤ اجداد کی دو تفسیریں بہت ضخیم ہیں بحر العلوم سو جلد میں ہے ہر جلد پانچ ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ تفسیر حضرت امام محمد باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ و عن آبائہ الکرام کے استحباب قلم کا فیضان ہے۔ دوسری تفسیر خزینۃ القرآن چالیس

جلدوں میں ہے ہر جلد تین ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کے مصنف موسیٰ المبرقع بن امام محمد تقی الجد ادقدس سرہٗ ہیں۔

دعا گو

محمد کرم شاہ الازہری

سجادہ نشین، بھیرہ، ضلع سرگودھا

۱۲ شوال المکرم ۱۴۰۸ھ ۲۹ مئی ۱۹۸۸ء

تفسیر سراج منیر، حافظ سید غلام حسین مصطفیٰ رضا رضوی رازی قادری مغل دارالکتب، لاہور، س ن، ج ۱، ص ۸

پیش لفظ

پروفیسر ڈاکٹر افضل الرحمٰن کی مخلص کوشش کتاب اللہ کا ترجمہ آیت بہ آیت تفسیر کی صورت میں انگریزی اور اردو زبانوں میں اشاعت سے قبل نظر سے گزرا اس کاوش کا مقصد تعلیم و تفہیم قرآن مقدس ہے۔ کیونکہ ان زبانوں کو دنیا کے کچھ خطوں کی وسیع آبادی سمجھتی ہے۔ اس کے فوائد و رحمتیں بھی خلق خدا کے ایک معقول حصہ تک پہنچیں گی۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ ہر زمانہ میں قرآنی ترجمہ و تفسیروں کے بیش قیمت و عالی قدر نسخے مختلف زبانوں میں نسل انسانی کی راہنمائی کرتے رہے ہیں۔ اور یوں یہ مخزن ہدایت تفسیری کوششوں کے ذریعہ مسلسل باعث فلاح ہے۔ دراصل مصنف کی بھی کوشش انہی گوہر پاروں کی مرہون منت ہے۔ ابھی کرہ ارض کے کئی خطے اپنی زبانوں میں قرآنی ترجمے اور تفسیروں کے حق دار ہیں۔ کچھ خطوں میں جغرافیائی اور کچھ میں سیاسی وجوہات کی بنا پر یہ عمل مدھم یا منفی رہا مگر پھر بھی حق کی آواز بند دروازوں کے اندر مسلسل چلتی رہی۔ ایسے علاقوں میں بھی اب صدائے حق اعلانیہ بلند کی جا سکتی ہے۔

سچ اور حقیقت تو یہ ہے کہ وحی شدہ الفاظ کا بدل کسی دیگر الفاظ میں پوری طرح ممکن نہیں۔ مگر پھر بھی ترجمہ اور تفسیر قرآن سمجھنے میں واحد حیثیت رکھتا ہے۔ نیز

حدیث اس کا لازمی عنصر ہے۔ پھر شان نزول سے مطابقت بھی حضور ﷺ کی حیات طیبہ کے واقعات وغزوات رسول ﷺ کے مقرر کردہ کمانڈروں کے تحت مہمات اور دور رسول ﷺ کی تاریخ سے وابستہ ہیں۔ چنانچہ ان سب کا ذکر خصوصیت کے ساتھ کیا گیا ہے۔ نیز کیونکہ مختلف آیات میں ایک ہی موضوع کے مختلف پہلوؤں کو مختلف سورتوں میں اللہ کریم نے بذریعہ وحی نازل فرمایا۔ اس لیے اس آیت بہ آیت تفسیر میں ان سب پہلوؤں کو مکمل کرنے کے لیے دیگر متعلقہ آیات کے نمبر بمعہ متعلقہ سورتوں کے درج کیے گئے ہیں۔ تاکہ اس کا مطالعہ کرنے والے اگر چاہیں تو اس موضوع کے سب پہلوؤں کا بیک وقت تسلسل کے ساتھ پڑھ لیں۔ تلاوت کرنے والوں کے لیے ہر سورت کے آغاز میں ایک مختصر دیباچہ آیت وار مضمون بیان کیا جاتا ہے۔ یہ دیباچہ آغاز قرآن کے بڑے دیباچہ کے علاوہ ہیں۔ آغاز قرآن کے دیباچہ میں دور محمدی ﷺ کی مختصر تاریخ لکھی گئی ہے جو خاتم الانبیاء ﷺ کے دنیا میں تشریف لانے کا مقصد اور نزول قرآن کے منازل کے بیان کے لیے ضروری سمجھا گیا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ کریم اپنے لامحدود رحم وکرم کی بدولت مصنف کی آرزو برلائے کہ تفہیم قرآن عام ہو۔ قرآن عام ہو۔ قرآن پڑھنے والوں پر اللہ کریم اپنے ان گنت انعام واکرام نازل فرمائے۔ اور ہم سب کو بھی اپنی رحمت کے سائے میں رکھے۔ آمین۔

جسٹس پیر محمد کرم شاہ ممبر شریعت

سپریم کورٹ پاکستان۔ مفسر ضیاء القرآن

۳۰ رستمبر، ۱۹۹۱ء

تقریظ

مفسرِ قرآن حضرت پیر محمد کرم شاہ صاحب ایم اے (الازہر)

مدیر اعلیٰ ماہنامہ ''ضیائے حرم'' لاہور سجادہ نشین بھیرہ، سرگودھا

۳ محرم الحرام ۱۳۹۸ھ

نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنُصَلِّيْ وَنُسَلِّمُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ

قرآن کریم وہ صحیفۂ رشد و ہدایت ہے۔ جس کی برکات سے ہماری دنیا و آخرت سنور سکتی ہے۔ اس تعلیم کو عام کرنے کے لئے ہر زمانے میں اہل خیر حضرات نے حتی الامکان کوششیں کی ہیں اس زمانہ میں زندگی بہت مصروف ہوتی جا رہی ہے۔ لوگ قرآن کریم کی تعلیم کے لیے اتنا وقت نہیں نکال سکتے جتنا پہلے نکال لیا جاتا تھا اس لیے اس امر کی اشد ضرورت تھی کہ تعلیم القرآن کا کوئی ایسا طریقہ تجویز کیا جائے جو سہل بھی ہو اور مختصر بھی اس سلسلہ میں ایک مفید قدم مصنف یَسَّرْنَا الْقُرآن حضرت قاری محمد اسماعیل افضل مرحوم نے اٹھایا تھا اور دوسرا قدم ان کے ہونہار تلمیذِ ارشد قاری محمد مشتاق صاحب نے ''چالیس روزہ قاری کورس

مرتب کر کے اٹھایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مساعیٔ جمیلہ کو مشکور فرمائے اور ان کے نیک اور پر خلوص ارادوں کے مطابق قرآن کریم پڑھنے کے سائقین کو کامیاب فرمائے۔

آمین ثم آمین

دعا گو (فقیر) پیر محمد کرم شاہ
سجادہ نشین بھیرہ

چالیس روزہ قاری کورس، قاری محمد مشتاق، مرکز چالیس روزہ قاری کورس، مصطفیٰ آباد، لاہور، طبع ۴، ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء، ص: ۲۱۳

محمد کرم شاہ

میں سیارہ ''ڈائجسٹ'' کی مجلس ادارت کے معزز اراکین کی خدمت میں صدق دل سے ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں جنہوں نے اپنے فرائض کا احساس کرتے ہوئے قرآن نمبر شائع کرنے کا اہتمام کیا اور وقت کی اس اہم ضرورت کو پورا کرنے کے لیے جرأت مندانہ قدم اٹھایا۔ خدا کرے آپ کا یہ نمبر ساری ملت کے لیے خصوصا نوجوانوں کے لیے صور اسرافیل ثابت ہو۔ ان کے خوابیدہ ولولے جاگ اٹھیں، ان کے شکستہ حوصلوں کو تندی اور جولانیاں نصیب ہوں۔ ان کی دنیا بدل جائے۔

آمین بجاہ الحبیب الامین صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ

١٤٢٣

حدیث و سیرت

فِدَاكَ أَبِي وَأُمِّي يَا رَسُولَ اللّٰهِ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

نحمدہ و نصلی و نسلم علی نبیّہ الکریم

اللہ رب العالمین کے محبوب رسول ﷺ کی سنت وہ نور ہے جس سے قرآن کریم کے اسرار و معارف آشکارا ہوتے ہیں دین متین کے حقائق پر آگاہی حاصل ہوتی ہے اور شریعت مطہرہ کی شاہراہ یوں جگمگانے لگتی ہے کہ منزل حق کا مسافر زندگی کی پرخار وادیوں، کٹھن اور صبر آزما مرحلوں کو کامیابی و سلامتی سے طے کرتا ہوا اپنی منزل مراد پر پہنچ جاتا ہے۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب مقدس میں اپنی فرمانبرداری کا اپنے بندوں کو جہاں بار بار حکم دیا ہے، وہاں انہیں اپنے نبی مکرم ﷺ کی غیر مشروط اطاعت کی بڑے مؤثر اور دلکش انداز میں تاکید بالائے تاکید فرمائی ہے۔

سنت نبوی کی اس اہمیت کے پیش نظر امت مسلمہ کے نابغہ روزگار علماء وفضلا نے ارشادات رسالت کی حفاظت، ان کی جمع و تدوین کے لیے اپنی ساری زندگیاں وقف کر دیں اور اس چشمہ علم و حکمت کو ہر قسم کی آلائشوں اور خس و خاشاک سے پاک و صاف رکھنے کے لیے اپنی بے مثل صلاحیتوں کو صرف کرتے رہے اور تالیف و تصنیف کی

دنیا میں ایسے حسین اضافے کیے جن کی دلربائیاں قلب وروح کو تسکین بخشتی رہتی ہیں۔

ان گراں قدر اور سراپا یمن وسعادت علماء میں سے شیخ الاسلام محی الدین، ابی زکریا یحییٰ بن شرف النووی کی ذات گرامی ہے۔ آپ کی ولادت ماہ محرم ۶۳۱ھ نوی کی بستی میں ہوئی۔ جو دمشق کے نواحی علاقہ میں واقع ہے۔ جب ہوش سنبھالا تو پہلے اپنے گاؤں میں قرآن کریم یاد کیا۔ ابتدائی علوم بھی اپنے والد ماجد سے حاصل کیے۔ جب ان کی عمر انیس سال تھی تو مزید تحصیل علم کا شوق انہیں ۶۴۹ھ میں دمشق لے آیا۔ وہ اپنے شب وروز حصول علم میں صرف کرنے لگے۔ پہلے دو سالوں میں تو انہوں نے اتنی محنت شاقہ کی کہ ساری ساری رات مطالعہ کتب اور حفظ اسباق میں گزر جاتی۔ بیٹھے بیٹھے اگر آنکھ لگ جاتی تو فوراً اپنے آپ کو جھٹک دیتے اور پھر مطالعہ کتب میں مصروف ہو جاتے۔

اپنے ابتدائی حالات خود بیان کرتے ہوئے فرمایا:

جب میری عمر انیس سال ہوگئی تو میرے والد ماجد ۶۴۹ھ میں مجھے دمشق لے آئے میں نے مدرسہ ''الرواحیہ'' میں قیام کیا اور لگاتار دو سال تک میں نے اپنا پہلو زمین سے مس نہیں ہونے دیا۔ مدرسہ کی طرف سے جو وظیفہ ملتا اسی پر اکتفاء کرتا۔ چار ماہ میں میں نے کتاب ''التنبیہ'' یاد کرلی۔ اور باقی آٹھ ماہ میں ''المہذب'' کی عبارات کا چوتھا حصہ ازبر کرلیا۔ میں اپنے استاد اسحاق مغربی کی خدمت میں ہمیشہ حاضر رہتا۔ جب انہوں نے حصول علم کے لیے میرا یہ بے پناہ ذوق وشوق ملاحظہ کیا، تو مجھ سے حد درجہ محبت کرنے لگے اور اپنے حلقہ درس کا مجھے ''معید'' مقرر کردیا۔ جب آپ کے علم میں وسعت اور پختگی پیدا ہوگئی، تو انہوں نے تالیف کتب کی طرف توجہ

مبذول کی فقہ میں ''المنہاج'' کتب حدیث سے صحیح مسلم کی مکمل شرح، صحیح بخاری، سنن ابی داؤد کے بعض حصوں کی شرح، احادیث احکام کا مجموعہ ''الخلاصہ'' نیز ریاض الصالحین اور الاذکار جیسی شہرۂ آفاق اور زندہ وجاوید تصانیف کیں۔ ان کے علاوہ علوم حدیث میں ''الارشاد'' اور اس کا خلاصہ التقریب کے نام سے تحریر کیا۔ اسماء رجال اور لغات میں ان کی کتاب تہذیب الاسماء واللغات حلقہ اہل علم میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔

زہد وتقویٰ کا یہ عالم تھا کہ صائم الدھر تھے دن کو روزہ رکھتے، رات کو عشاء کے بعد ایک مرتبہ کھانا کھاتے سحری کے وقت صرف پانی پیتے۔ رات کو چند لمحوں کے لیے استراحت فرماتے خدمت علوم دینیہ میں وہ عمر بھر یوں مستغرق رہے کہ شادی کرنے کا خیال تک نہ آیا۔ اور ساری عمر یوں ہی گزاری۔

آپ کی تصنیفات میں سے ریاض الصالحین ایک ایسی کتاب ہے جس سے علم حق کے پیاسے اپنی پیاس بجھاتے ہیں۔ راہ عشق ومحبت کے مسافروں کو راہنمائی ملتی ہے اور اسلامی تعلیمات کے اس گلدستہ سے ایک دنیا مستفید ہو رہی ہے۔ اور قیامت تک مستفید ہوتی رہے گی جیسے آپ کو معلوم ہے کہ ارشادات نبوی کا ایک مجموعہ ہے جو عربی زبان میں ہے اور زندگی کے ہر گوشے میں اس سے رہنمائی حاصل کی جا سکتی ہے۔ اردو خواں حضراتِ جو عربی نہیں سمجھ سکتے، ان کے لیے اس گنج شائگاں تک رسائی حاصل کرنے کے لیے بہت سے بزرگوں نے اس کا اردو ترجمہ کیا ہے۔ لیکن یہ کہنے میں مجھے تامل نہیں کہ ان تراجم میں سے جو تراجم میری نظر سے گزرے ہیں۔ ان کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ ترجمہ کا حق ادا نہیں کیا جا سکا۔

ضیاء القرآن پبلی کیشنز کے ناظم اعلیٰ نے اس مقصد عظیم کو حاصل کرنے کے لیے علامہ عبدالرسول ارشد کو مجبور کیا کہ وہ اپنی خداداد صلاحیتیں اور اپنا قیمتی وقت احادیث رسول اور اس بے نظیر و بے مثال کا اردو ترجمہ کرنے میں صرف کریں۔ چنانچہ انہوں نے ان کی اس درخواست کو قبول کرتے ہوئے سالہا سال کی محنت سے یہ ترجمہ پیش کیا۔ جس کا میں نے متعدد مقامات سے مطالعہ کیا۔ یہ ترجمہ پڑھ کر قلب و ذہن دونوں مطمئن ہوئے اور زبان سے بے ساختہ اس فاضل نوجوان کے لیے دعائیں نکلیں۔

علامہ عبدالرسول ارشد کی شخصیت علمی حلقوں میں معروف و مقبول ہے۔ یہ دارالعلوم محمدیہ غوثیہ کے قابل فخر طلبہ میں سے ہیں علوم دینیہ کی تکمیل کے ساتھ ساتھ انہوں نے عربی اور اسلامیات میں ایم۔اے کیا ہے اور اس کے علاوہ قدرت نے ان کو جوفہم رسا اور ذہن نکتہ سنج کے ساتھ ساتھ فصاحت و بلاغت کے جوہر سے نوازا ہے یہ ان پر اللہ تعالیٰ کا خصوصی لطف و کرم ہے۔ وہ اس احسان عظیم کا شکریہ اس طرح ادا کررہے ہیں کہ انہوں نے اپنی زندگی کو دین اور علوم دینیہ کی خدمت کے لیے وقف کر دیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ ریاض الصالحین کے قارئین جب ان کا یہ ترجمہ پڑھیں گے تو وہ اس طرح محظوظ ہوں گے۔ جس طرح عربی کے ماہر حضرات اس کے عربی متن کو پڑھ کر لطف اندوز ہوتے ہیں۔

فقیر ادارہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز کے کارکنوں خصوصاً عزیزم محمد حفیظ البرکات شاہ کو ہدیہ تبریک پیش کرتا ہے جس کی محنت اور شوق نے ریاض الصالحین کے متن اور ترجمہ کی اشاعت کا اہتمام کیا۔ اللہ تعالیٰ اس ادارہ سے اپنے دین حنیف

کی بیش از پیش خدمت لے۔

آمین۔ ثم آمین بجاہ طٰہٰ ویٰسین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْم ط

پیر محمد کرم شاہ ایم۔ اے الازہر
سجادہ نشین بھیرہ۔ ضلع سرگودھا
پرنسپل دار العلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ

ریاض الصالحین، امام نووی، مترجم علامہ عبدالرسول ارشد
ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور

اسوۂ حسنہ کی اہمیت

حضرت پیر محمد کرم شاہ ایم اے۔ آنرز (الازہر) مدیر اعلیٰ ضیائے حرم

الحمد للہ رب العالمین. والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین. وعلیٰ الہٖ وصحبہٖ اجمعین. قال اللہ تعالیٰ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی جن برگزیدہ بندوں کو شرف نبوت سے سرفراز فرماتا ہے انہیں یہ مقدس اور اہم ذمہ داری سونپتا ہے کہ وہ انسانوں کی اصلاح کر کے انہیں فلاح دارین کی سعادت سے بہرہ ور کریں۔

غور طلب امر یہ ہے کہ اصلاح سے کیا مراد ہے؟

ایک مفلوک الحال انسان کی خالی جھولی کو اگر آپ لعل و گہر سے بھر دیتے ہیں تو آپ نے اس کی مفلوک الحالی کا ازالہ کر دیا لیکن یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ آپ نے اس کی اصلاح کر دی، ہوسکتا ہے کہ وہ شخص جو غربت کی حالت میں بے ضرر مرنجاں مرنج قسم کا تھا اب وہ دولت کے نشہ سے مخمور ہو کر فتنہ وفساد کی آگ

بھڑکانے لگے۔ایک شخص جس کے پاس سر چھپانے کے لیے جھونپڑا تک نہیں، فٹ پاتھ پر پڑا، موسم کی چیرہ دستیوں کا ہدف بنا رہا ہے اگر آپ اس کی باعزت رہائش کا اہتمام فرما دیتے ہیں اور بادوباراں کی بے رحمیوں سے ان کو نجات مل جاتی ہے تو اس کا یہ معنی ہرگز نہیں کہ آپ نے اس کی اصلاح بھی کر دی ہے ہوسکتا ہے کہ وہ وہاں عیش وطرب کی بزم آراستہ کرے اور فسق و فجور کے اندھیروں میں اپنے ساتھیوں سمیت غرق ہو جائے۔

اصلاح کی ایک ہی صورت ہے کہ انسان کے پہلو میں دھڑکنے والا دل سنور جائے، جس شخص کا دل سنور جاتا ہے، غربت و فاقہ کشی اس کے شرف انسانیت کو داغدار نہیں کر سکتی اور دولت کی فراوانی اسے مغرور و متکبر نہیں بنا سکتی اگر وہ بوریا نشین درویش ہے تب بھی کوئی سلطان وقت اس کی عزت نفس کو خرید نہیں سکتا اور اگر وہ سر برآرائے سلطنت ہے تب بھی اس سے کوئی ایسی نازیبا حرکت سرزد نہیں ہوسکتی جس کے باعث جبین حیا پر شکن پڑے یا عدل و احسان کی نازک اقدار کو کوئی ٹھیس پہنچے۔ ایسے شخص کا علم جہالت کی تاریکیوں سے برسرپیکار رہتا ہے۔اس کی دولت مایوسیوں اور محرومیوں کے گھپ اندھیروں میں خوشی وشادمانی کا چراغ روشن کرنے میں صرف ہوتی ہے اس کا جاہ وجلال ضعیفوں کی پناہ اور زیردستوں کی دستگیری کرتا ہوا نظر آتا ہے۔اصلاح یافتہ انسان کو آپ کسی قسم کے حالات سے دوچار کر دیں، اختیار و اقتدار کے اعلیٰ ترین منصب پر آپ اسے فائز کر دیں وہ سراپا خیر ہوگا وہ پیکر نور ہوگا اس کے ظل عاطفت میں جو آئے گا اسے سکون و قرار نصیب ہوگا۔وہ جدھر جائے گا فرحت و انبساط کے خزانے لٹاتا چلا جائے گا۔

اقلیم علم وحکمت کے تاجدار، نفسیات انسانی کے رازدان سرور کون ومکان ﷺ نے اپنے اس ارشاد میں اسی حقیقت کو بیان فرمایا ہے۔

ان فی الجسد لمضغة ان صلحت صلح الجسد کله وان فسدت فسد الجسد کله الاوھی القلب.

ترجمہ: بے شک جسم میں ایک پارۂ گوشت ہے اگر وہ درست ہو جائے تو سارا جسم درست ہو جاتا ہے اور اگر وہ بگڑ جائے تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے کان کھول کر سن لو کہ وہ پارۂ گوشت ''دل'' ہے۔

لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ اصلاح قلب کا عمل کیسے پایۂ تکمیل پذیر ہو۔ دل کے نگر میں اصلاح کا نور کیسے فروزاں ہو۔ دل کا قلعہ بڑا مستحکم ہے اس کی فصیل بڑی مضبوط اور اونچی ہے کوئی منجنیق ابھی تک ایسی نہیں جو اپنی سنگباری سے اس دیوار میں شگاف ڈال سکے کوئی سکندر، کوئی سیزر، کوئی نپولین، کوئی ہٹلر اب تک ایسا پیدا نہیں ہوا جو دل کی دنیا میں اپنی فتح یابی کا ڈنکا بجا سکے۔

صرف باتیں خواہ وہ کتنی سچی ہوں ان کی فصاحت و بلاغت کا معیار خواہ کتنا بلند ہو باتیں کرنے والے کا لہجہ کتنا سلجھا ہوا ہو یہ باتیں کانوں سے ٹکرا کر واپس آ جاتی ہیں دل کے کان ایسی باتوں کو سننا اور قبول کرنا گوارا نہیں کرتے جب تک قائل کے قول کی تصدیق اس کا عمل نہ کرے۔ عمل میں جتنا حسن و جمال ہوگا، جتنا سوز و گداز ہو گا اور جتنی للٰہیت ہوگی کنوردل میں اس کی فتوحات کا دائرہ اسی قدر وسیع ہوگا۔

جب دنیائے انسانیت میں ہر سو گمراہی کا اندھیرا چھایا ہوا تھا، ظلمات بَعضُھا فَوقَ بَعَضٍ کا دلخراش منظر قیامت ڈھا رہا تھا اللہ تعالیٰ کے دریائے رحمت

میں جوش آیا اور اس نے نوع انسانی کی ہدایت کے لیے قرآن حکیم جیسا صحیفہ رشد و ہدایت نازل فرمایا لیکن یوں نہیں ہوا کہ جبرائیل اس کتاب مبین کو بارگاہ ایزدی سے لے آیا اور جبل ابی قبیس کی کسی چوٹی پر رکھ دیا ہو، تا کہ اہل مکہ اس کو پڑھ کر گمراہی کی دلدل سے باہر نکل آئیں اور شاہراہ ہدایت پر گامزن ہو جائیں بلکہ اس دعوت حق کو لوگوں کے سامنے پیش کرنے سے پہلے اس دعوت کے داعی کا اہتمام فرمایا گیا، من کی دنیا میں دین حق کا پرچم لہرانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو اپنے آغوش لطف و کرم میں لے کر پروان چڑھایا، ان کی تادیب و تربیت کا اہتمام کیا ارشاد ربانی ہے "الم یجدک یتیماً فاویٰ" اے حبیب، تیرے رب نے تجھے یتیم پایا تو اس نے تجھے اپنے آغوش کرم میں لے لیا اس جگہ ارشاد ہے "فانک باعیننا" تو ہماری آنکھوں میں بستا ہے، تو ہر وقت ہماری آنکھوں کے سامنے ہے تیری جلوتیں اور خلوتیں، تیرے نالہ ہائے شب کا گداز، تیری دعاؤں کا سوز تیرے دل دردمند کی بیقراریاں، تیرے دن بھر کی مصروفیتیں، سبھی کا ہم مشاہدہ بھی کر رہے ہیں اور نگرانی بھی فرما رہے ہیں اور کبھی اسی حقیقت کو نبی اکرم ﷺ نے اس طرح بیان فرمایا "ادبنی ربی فاحسن تأدِیبی" میرے پروردگار نے مجھے ادب سکھایا اور ادب سکھانے میں کمال کر دیا۔ اس خصوصی تعلیم و تربیت اور تزکیہ و تجلیہ کے بعد بنی ہاشم کے اس یتیم کو صاحب کتاب بنا کر سارے عالم کی رہنمائی کے لیے مبعوث فرمایا ارشاد ربانی ہے:۔

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ

یعنی پیغام حق جاننا چاہو تو قرآن کریم کا بغور مطالعہ کرو اور ان تعلیمات کی

دلربائیوں کو محسوس پیکر میں جلوہ فگن دیکھنے کی آرزو ہو تو میرے محبوب کی زندگی کے شب وروز میں مشاہدہ کرو، جس سچائی کا بیان فرقان حمید کی آیات وکلمات کر رہے ہیں تم اس کا زندہ نمونہ ذات پاک مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء میں ملاحظہ کرو گے کتاب میں جو کچھ پڑھو گے یہاں ہو بہو اس کو دیکھ لو گے سر مو بھی تفاوت نہیں پاؤ گے۔

فارجع البصر هل ترى من فطور : غور سے دیکھو کیا یہاں تمہیں کوئی شگاف نظر آتا ہے ثم ارجع البصر كرتين ينقلب اليک البصر خاسئاً و هو حسير.

ترجمہ: ایک بار نہیں بار بار دیکھو تمہاری نگاہیں تکتے تکتے درماندہ ہو کر لوٹ جائیں گی لیکن تمہیں وہاں کوئی نقص یا خامی دکھائی نہیں دے گی۔

اسی لیے جب ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے حضور کے خلق کے بارے میں استفسار کیا تو حضرت صدیقہ نے فرمایا کان خلقه القران یعنی حضور کا خلق قرآن تھا اتنا جامع اور مختصر جواب حضرت صدیق اکبر کی لخت جگر جنابہ صدیقہ ہی دے سکتی ہیں۔

گذشتہ آیات پر ایک بار پھر غور فرمایئے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

لقد كان لكم في رسول الله اسوة حسنة

اس کا لفظی ترجمہ ہے "بیشک تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کے رسول کی زندگی میں اسوۂ حسنہ ہے"۔

اسوہ کا معنی ہے نمونہ، یہاں صرف اسوہ نہیں فرمایا گیا بلکہ اس کو ایک صفت

سے موصوف کیا۔ عربی لغت میں متعدد الفاظ ہیں جو اسوہ کی صفت بن سکتے ہیں مثلاً اسوہ کاملہ اسوہ سامیہ بھی کہا جا سکتا تھا لیکن علیم وحکیم خدا نے اپنے رسول کے اسوہ کی توصیف کے لیے جو وصف منتخب فرمائی وہ حسنہ ہے اور حسنہ کا معنی ہے "ذات حسن" یعنی حسن و جمال والا۔ اس طرح اس حقیقت کو واضح کیا کہ میرے حبیب کا عمل عام نوعیت کا نمونہ نہیں بلکہ ایسا نمونہ ہے جس میں حسن ہے جس میں جمال ہے جس کی رعنائیوں اور زیبائیوں کے سامنے دلوں کے قفل ٹوٹ کر گرتے چلے جاتے ہیں جس کی اداؤں کے تاؤ سے مخالف کی چٹانیں پگھل جاتی ہیں اس تعبیر میں حکمت یہ ہے کہ دل صرف سلطان حُسن کا حلقہ بگوش اور باجگزار ہوتا ہے اس کا سر پنداز فقط محبوب کی دلفریب اداؤں کے سامنے جھکنا جانتا ہے اور سیرت مصطفوی میں حُسن اپنی تمام جلوہ سامانیوں، اپنی ساری رعنائیوں کے ساتھ سمٹ کر آ گیا ہے جاننے والے جانتے ہیں کہ حسن کے انگنت روپ ہیں، رخ زیبا، قامت بالا، چشم غزالیں کے علاوہ راست بازی، ثابت قدمی، شجاعت، سخاوت یہ سب حُسن کے جلوے ہیں جو یہاں اپنے پورے شباب کے ساتھ دکھائی دیتے ہیں۔ حُسن کی کسی ادا کا کوئی دلدادہ ہو اور اس کے کسی روپ کا کوئی قدردان ہو جب بارگاہ جمال مصطفوی میں باریاب ہوتا ہے تو ازخود رفتہ ہو کر یہ نعرہ بلند کرتا ہے۔

گیسوئے تابدار کو اور بھی تابدار کر
ہوش و خرد شکار کر قلب و نظر شکار کر

اسی کوچہ میں آ کر دل کی دنیا بدل جاتی ہے خوب وزشت کا معیار بدل جاتا ہے۔ سود وزیاں کا تصور بدل جاتا ہے پھر وہ دعوت حق نہاں خانہ دل میں جا گزین ہو

جاتی ہے اور انسان بڑے ذوق وشوق سے یوں گنگنانے لگتا ہے۔

اتانی هوا ها قبل ان اعرف الهوی

فصادف قلبا خالیاً فتمکنا

ترجمہ: اس کی محبت آئی اور اس وقت آئی جب مجھے محبت کا مفہوم ہی معلوم نہ تھا اس نے میرے دل کو خالی پایا اور اس پر اپنا تسلط جمالیا۔

یہی وجہ ہے کہ بارگاہ مصطفیٰ سے فیضیاب ہونے والوں میں ہمیں عربی بھی ملتے ہیں اور عجمی بھی کریم اور نجاح بھی ملتے ہیں اور ضعیف و ناتوان بھی، دولتمند بھی ملتے ہیں اور فقیر و نادار بھی۔ جس کسی میں حسن کے کسی پہلو کے لیے کمی ہوتی ہے وہ یہاں آ کر سر تسلیم خم کر دیتے ہیں۔ حقیقت شناس، حضور کے صحابہ کرام کی سیرت کے آئینوں میں جمال یار کا عکس جمیل عیاں دیکھتی ہے۔ نبی کریم ﷺ کا یہ نمونہ جتنا خوبصورت اور دلکش ہے اسی قدر وسیع اور کشادہ بھی ہے زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس کے لیے اس میں پروگرام نہ ہو۔ انسانیت کا کوئی روگ ایسا نہیں جس کے لیے اس میں تریاق نہ ہو۔ تہ در تہ ظلمتوں کو کافور کرنا اس کا خلاصہ ہے اس کی برکت سے الائشیں دور ہوتی ہیں، روح کو پاکیزگی اور دل کو طہارت نصیب ہوتی ہے۔ سیرت و کردار میں وہ استواری اور ثبات نمایاں ہوتا ہے جسے پھر کوئی زلزلہ اپنی جگہ سے جنبش نہیں دے سکتا۔ عبادات، معاملات، تہذیب و تمدن، معاشیات و معاشرت الغرض کوئی میدان ہو اسوۂ حسنہ کا ابر رحمت ان پر سایہ فگن ہوتا ہے اور اپنی رم جھم سے موت کی نیند سوئی ہوئی صلاحیتوں کو بیدار کرتا ہے ان کی نشو نما کرتا ہے اور زندگی کے دامن کو سوز و نشاط سے لبریز کر دیتا ہے۔ میرے لیے یہ تو ممکن نہیں کہ اس مختصر صحبت میں میں

حضور ﷺ کے اسوہ حسنہ کے تمام پہلوؤں کا اختصار کے ساتھ ہی تذکرہ کر سکوں۔ البتہ اس گلشن حکمت کے ایک دو گلہائے رنگین پیش خدمت کرنے کی سعادت ضرور حاصل کروں گا۔ یہ واقعات ہیں جو بالکل سادہ لیکن ان کی تائید سے عرب کے گنوار، صحرا نشینوں کے دل کی دنیا میں ایک تلاطم برپا ہو گیا اور ان میں ایک عظیم انقلاب رونما ہوا۔

نبی اکرم ﷺ ایک روزہ ایک سفر سے واپس تشریف لا رہے تھے راستہ میں پڑاؤ ہوا مختلف حضرات کو مختلف ذمہ داریاں سونپ دی گئیں۔ کوئی خیمے نصب کر رہا ہے، کوئی سواریوں کے جانوروں کے چارہ کا انتظام کر رہا ہے کوئی پانی بھر کر لا رہا ہے کوئی آٹا گوندھ رہا ہے سب اپنے اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں حضور ﷺ چپکے سے وہاں سے اٹھ کر کہیں چلے جاتے ہیں۔ صحابہ کرام کچھ دیر بعد حضور کو اپنے میں نہ پا کر بے چین ہو جاتے ہیں۔ متجس نگاہیں چار سو تلاش حبیب میں سرگرداں ہیں جیسے جیسے تاخیر ہوتی جاتی ہے بے چینی اور اضطراب بڑھتا جاتا ہے یہاں تک کہ صحابہ کو دور سے ایک نورانی پیکر نظر آتا ہے اور جب قریب ہوتے ہیں تو یہ دیکھ کر حیران و ششدر ہو جاتے ہیں کہ ان کا آقا و مولا جنگل سے لکڑیاں جن کو ان کا گٹھہ بنا کر اپنے سر پر اٹھائے ہوئے لا رہا ہے صحابہ عرض کرتے ہیں یا رسول اللہ حضور نے یہ زحمت کیوں گوارا کی ہم غلام اس خدمت کے لیے کیا کافی نہ تھے حضور ﷺ بڑی سادگی سے فرماتے ہیں تم سب کام کر رہے تھے میں نے یہ مناسب نہ سمجھا کہ خود معتبر بن کر بیٹھا رہوں۔ صحابہ کرام جو اس نورانی منظر کو دیکھ کر پہلے ہی مسحور ہو چکے تھے یہ بے تکلفانہ جواب سن کر ان کے ایمان و یقین کو نئے بال و پر نصیب ہو گئے۔

• میدان خندق کا یہ واقعہ کسے معلوم نہیں کہ اگر صحابہ خندق کھودنے میں مصروف ہیں تو ان کا نبی مکرم بھی ہاتھ میں گدال لیے کبھی پتھریلی زمین کو کھود رہا ہے اور کبھی مٹی سے بھری ہوئی ٹوکری اپنے سراپا یمن وسعادت سر پر اٹھائے باہر پھینک رہا ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عملی زندگی کی یہی دلفریبیاں تھیں جنہوں نے عرب کے بدوؤں کو اسلام کا گرویدہ بنا دیا تھا آج بھی اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ اسلام کی دعوت کو پذیرائی نصیب ہو اور یہ پیغام حق دلوں کی دنیا میں ہلچل پیدا کر دے تو اس کی صرف یہی صورت ہے کہ قرآن کی تعلیمات کے حسین خدوخال کو سیر مصطفوی کے شفاف آئینہ میں دکھایا جائے تا کہ جمال حق کو وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں اور اس کی فطرت کے آگے سر تسلیم خم کر لیں۔ جب تک ہم حضور کی سیرت کے مختلف پہلوؤں کو لوگوں کے سامنے اجاگر نہیں کریں گے ہم نہ اپنے فریضۂ تبلیغ سے عہدہ برآ ہو سکتے ہیں اور نہ اپنی بات کو لوگوں سے منوا سکتے ہیں۔ نوع انسانی کو دین اسلام کی جس قدر آج ضرورت ہے اتنی شاید پہلے کبھی نہ تھی۔ ترقی یافتہ قومیں اپنے تمدن اور ثقافت سے مایوس ہو چکی ہیں انہیں ضرورت ہے کہ وہ اسلام کے چشمۂ شیریں سے اپنی پیاس بجھائیں۔ اس لیے ہر وہ شخص جس کے دل میں انسانیت کے لیے درد ہے جو اپنے بھائیوں کی ضلالت پر گمراہی پر پیچ و تاب کھاتا رہتا ہے، جس کو حضور ﷺ کی نبوت اور دعوت کے کامل و مکمل ہونے کا یقین محکم ہے اس کا یہ خوش گوار فریضہ ہے کہ اندھیروں میں بھٹکنے والی مخلوق کی رہنمائی کے لیے حضور کی سیرت کو بڑے مدلل اور دلکش انداز میں پیش کرے۔

اس سلسلہ میں مکتبہ نبویہ لاہور کے اراکین نے حضور مولانا جامی کی شواہد

النبوت کے بعد ملا معین واعظ الہروی کی معروف کتاب معارج النبوت کا خوبصورت اردو ترجمہ قارئین کے لیے طبع کرایا اور ان کے مخلص رفقائے کار تمام خدام اسلام کے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے اس عظیم کام کی عظمت اور اہمیت کا احساس کیا اور سیرت کو عام کرنے کا فریضہ ادا کیا۔ ہماری دلی دعا ہے کہ خداوند کریم انہیں اپنی خصوصی توفیقات سے نوازے۔ ان کا ہر قدم منزل کی طرف اٹھے، ان کی کوششیں بار آور ہوں اور نہ صرف امت مسلمہ بلکہ اغیار بھی خاتم النبیین کے چشمۂ فیض سے فیضیاب ہوسکیں۔ آمین ثم آمین. یا رب العالمین بجاہِ طٰہٰ و یٰسین صلی اللہ علیہ وسلم.

معارج النبوۃ فی مدارج الفتوۃ، مُلّا معین واعظ کاشفی

مکتبہ نبویہ، گنج بخش روڈ، لاہور، ۱۴۲۸ھ/۲۰۰۷ء، ص: ۲۲۔۲۹

تاثرات: حضرت مولانا پیر محمد کرم شاہ صاحب الازہریؒ

"نور مبین"، تجلیات محمدیؐ کا ایک آئینہ خانہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدهٗ ونستعينهٗ ونصلّی ونسلّم علٰی سیّد الانبیاء والمرسلین وعلٰی آلہٖ وصحبہٖ اجمعین

حُسن کا ہر کوئی شیدائی ہے!

نگاہ بھی، عقل بھی اور دل بھی!

لیکن ہر ایک کی اپنی اپنی حد ہے اور اپنا اپنا ظرف!

نگاہ رنگ وروپ کی جلوہ سامانیوں اور خدوخال کی رعنائیوں میں کھو کر رہ جاتی ہے عقل حُسن کی حقیقت کے بحر بیکراں میں غوطہ زن رہتی ہے۔ قدم قدم پر بھنور، چاروں طرف سے یلغار کرنے والی شوخ وشنگ موجیں اسے اپنے میں مستغرق رکھتی ہیں۔

لیکن جاناں کے رُوبرو دامن پھیلانے کی جرأت پھر عمر بھر وقف رہنے کی ہمت، صرف قلب مسکین کو ہی ارزانی ہوتی ہے۔

ہجر حبیبؐ میں آنسوؤں کی لڑیاں پرونے والے دردِ فراق سے ماہی بے آب کی طرح تڑپنے والے، اپنی شب کی تنہائیوں کو آہوں سے آباد رکھنے والے، جب آئینہ دل کو ہر قسم کے غبار اور کدورتوں سے صاف و شفاف کر لیتے ہیں تو محبوب کا عکس جمیل قلب جمیل کی بے تابیوں کو دلاسہ دینے کے لئے تجلی فرماتا ہے۔ اس وقت نقاب اُلٹ دیئے جاتے ہیں۔ مغائرت ختم ہو جاتی ہے، مسافتوں کی دُوریاں سمٹ جاتی ہیں۔ محبوب کریم کی بارگاہِ رحمت سے لطف و احسان کے موتی لٹائے جاتے ہیں۔ معرفت و حکمت کے سدا بہار پھولوں سے ان کا دامن طلب بھر دیا جاتا ہے۔ اور جب ان کا قلم صفحہ قرطاس پر رقم طراز ہوتا ہے تو بارگاہِ حُسن سے مضامین کا القا ہونے لگتا ہے۔ اس شراب طہور کی تقسیم کے لئے الفاظ کے جام و سبو بھی مخزن رحمت سے مہیا کئے جاتے ہیں۔

مضامین کی یہی ندرت و لطافت، کلمات کی یہی دلآویزی و رعنائی، عقیدت و محبت کے اس گلدستہ کو دیگر صحائف کے انباروں سے ممتاز کر دیتی ہے۔ مخدوم ملت، محترم جناب ڈاکٹر حامد حسن بلگرامی مدظلہ، انہیں نادرۂ روزگار ہستیوں میں سے ایک منفرد ہستی ہیں جنہیں قدرت کی فیاضیاں پہلے دولت عشق و نیاز سے مالا مال کرتی ہیں پھر راہروان منزل تسلیم و رضا کی حوصلہ افزائی کے لئے انہیں اذن لب کشائی دیا جاتا ہے۔ ان کی علمی تخلیقات علم و فن کی جملہ خوبیوں سے متصف ہونے کے ساتھ ساتھ حسن و جمال کی جملہ زیبائیوں کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہوتی ہیں۔ پڑھنے والا انہیں پڑھ کر دنگ رہ جاتا ہے۔ ان کو سمجھنے والے کے لئے بحر معرفت و عرفان کی اتھاہ گہرائیاں پایاب ہو جاتی ہیں۔ اور ان کو اپنے دل میں بسانے والے مسافروں کے لئے رکاوٹوں کے پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جاتے ہیں۔

محترم ڈاکٹر بلگرامی صاحب نے کچھ عرصہ پہلے ''فیوض القرآن'' لکھ کر دل

باختگان سرکار احمدیت کے قلوب واذہان کو منور کیا اور ان کی وارفتگیوں کو جذبۂ صادقہ سے ہمکنار کیا اور اب ''نور مبین'' کے دلکش اور بصیرت افروز عنوان سے سیرت محبوب رب العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ایک ایسا اچھوتا انداز دیا جو سیرت نویسی کے سلسلہ میں لاجواب اور بے مثال ہے۔ ہر سطر سے ادب ومحبت کے چشمے پھوٹ رہے ہیں۔ ہر لفظ گوہر آبدار ہے جو مصطفوی علوم ومعارف کے بیش بہا خزانوں کا امین ہے۔

میں نے جب ''نور مبین'' کے چند مقامات کا مطالعہ کیا تو ایک عجیب قسم کی حیرت واستعجاب نے مجھے ششدر کر دیا۔ میں نے اپنے پہلو میں دھڑکنے والے دل سے پوچھا، بتا! ان افکار عالیہ کا منبع کہاں ہے؟ یہ الفاظ کے جام وسبو جن میں یہ شراب معرفت عاشقان باصفا کے جذبۂ سرفروشی کو نئی توانائیاں بخشنے کے لئے تقسیم کی جارہی ہے کس کارخانہ میں تیار ہوئے ہیں؟ وہ کون ہے جو خوف لومۃ لائم سے بے نیاز ہو کر ساقی گری کی خدمت بڑی جرأت وبے باکی سے انجام دے رہا ہے؟

جواب ملا۔ یہ وہی مرد بلند آہنگ ہے جس نے چند سال پہلے فیوض القرآن لکھ کرامت حبیب کبریاء کے نوجوانوں کے لئے فہم قرآن کا دروازہ کھولا تھا۔ وہی آج وارفتگان حسنِ غیر کے سامنے نورِ مبین لکھ کر جلوۂ جاناں صلی اللہ علیہ وسلم کو بے نقاب کر رہا ہے تاکہ وہ ہوا وہوس کی اسیری سے رستگاری حاصل کر کے محبوب رب العلمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی عقیدت وغلامی کا طوق زیب گلو کرنے کے لئے بے قرار ہو جائیں۔

دعاجو: محمد کرم شاہ

۱۵/ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ

۲۴/اکتوبر ۱۹۹۱ء

نور مبین، سید حامد حسن بگرامی، حسن اختر ایسوایٹس

ص: ا۔د

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقریظ

حضرت العلام ضیاء الامت جسٹس پیر محمد کرم شاہ صاحب الازہریؒ

الحمدللہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وعلٰی الہ واصحٰبہ اجمعین۔

عزیز گرامی خالد محمود صاحب طالب علمی کے زمانے سے دقت نظر اور تحقیق حق کے جذبہ سے سرشار رہے ہیں حصول علم کے بعد جب سے انہوں نے تدریس کے فرائض سنبھالے ہیں ان کا یہ ذوق نکھر کر سامنے آ گیا ہے متعدد اہم اور مشکل موضوعات پر انہوں نے خامہ فرسائی کی ہے اور ہر موقع پر انہوں نے اپنے قارئین کے دلوں کو موہ لیا ہے ان کے قلوب واذہان کو تشکیک کے کانٹوں سے پاک کر کے یقین کے نور سے منور کر دیا ہے..... ملت کی شومئی قسمت ملاحظہ ہو کہ وہ مباحث اور مسائل جو ابتدائے اسلام سے اب تک متفق علیہ رہے ہیں ان کے بارے میں اب شکوک وشبہات کا طوفان برپا کیا جا رہا ہے اور اس طرح اسلام کے نادان دوست یا دانا اور عیار دشمن ایمان کے مستحکم قلعوں کی بنیادوں کو متزلزل کرنے کی مذموم کوشش میں دن رات سرگرم عمل ہیں۔ سب سے افسوس ناک بات یہ ہے کہ حضور رحمت عالمیان ﷺ

کی حیات طیبہ کے بارے میں بھی اب مختلف قسم کی نازیبا باتیں زبان پر آنے لگی ہیں اور حیات النبی کا متفق علیہ مسئلہ اب باہمی نزاع اور افتراق کا شکار ہو رہا ہے جس نے دلوں کو پریشان، ذہنوں کو پراگندہ ایمان کو کمزور اور یقین کو متزلزل کر کے رکھ دیا ہے۔
ضرورت تھی کہ کوئی صاحب نظر اس موضوع پر قلم اٹھائے اور شکوک وشبہات کے جو انبار اس موضوع کو مشکوک کرنے کے لئے بعض مدعیان علم ودانش کی طرف سے لگائے جا رہے ہیں ان کی حقیقت کو آشکارا کر دے۔ ہمارے فاضل نوجوان مولانا خالد محمود کی طبع مشکل پسند نے اس موضوع کی طرف توجہ کی اور داد تحقیق لیتے ہوئے اس مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر سیر حاصل بحث کر کے معترضین کے تمام اعتراضات اور مشککین کی تمام تشکیکات کا منہ توڑ جواب دیا اور ان کی جانگسل محنت اور جدوجہد کا ثمر "حیات جان کائنات ﷺ" کے نورانی پیکر میں ہمارے سامنے ہے میں نے اس کتاب کے جستہ جستہ مقامات کا بدقت نظر مطالعہ کیا ہے اور میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ جو شخص بھی اس کا مطالعہ کرے گا اگر توفیق الٰہی اس کی دستگیری فرمائے گی تو حضور ﷺ کی حیات طیبہ کے بارے میں ہر قسم کے شکوک سے اس کا دل پاک ہو جائے گا۔
میری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس صالح نوجوان کی بے پناہ صلاحیتوں کو نشوونما کا موقع عطا فرمائے تاکہ اس کے فیضان سے ایک دنیا فیض یاب ہو۔

امین ثم امین بجاہ حبیبہ الکریم ﷺ

۶ رشوال ۱۴۰۴ھ
۵ رجولائی ۱۹۸۴ء

محمد کرم شاہ
دارالعلوم محمدیہ غوثیہ
بھیرہ سرگودھا

حیات جان کائنات، علامہ خالد محمود
زاویہ ۸۔سی دربار مارکیٹ، لاہور، ۱۹۹۹ء، ص: ۱۵۔۱۶

تقریظ

جسٹس پیر محمد کرم شاہ صاحب

سجادہ نشین آستانہ عالیہ امیر السالکین بھیرہ ضلع سرگودھا

حضور کریم ﷺ نے اپنی بعثت کی حکمت اپنے ان پاکیزہ کلمات میں بیان فرمائی ہے۔

بعثت لاتمم مکارم الاخلاق

یعنی مجھے اس لئے مبعوث کیا گیا ہے کہ میں اخلاق حسنہ کو پایۂ تکمیل تک پہنچاؤں۔

اللہ تعالیٰ نے محترم فقیر محمد ندیم باری صاحب پر بڑا ہی احسان فرمایا ہے کہ انہیں اپنے محبوب کریم رحمت للعالمین ﷺ کی سیرت کے مختلف پہلوؤں پر لکھنے کی سعادت بخشی ہے۔ ان کی سابقہ تصنیفات بلاشبہ اپنے اپنے موضوع پر لائق صد تحسین و آفرین ہیں۔

اپنی روایات کو برقرار رکھتے ہوئے اس دفعہ انہوں نے ''معلم اخلاق'' کے عنوان سے ایک کتاب تصنیف کی ہے۔ جس طرح اس کی تالیف میں انہوں نے تحقیق

وجستجو کا حق ادا کیا ہے اسی طرح اس کو زیور طباعت سے آراستہ کرنے میں بھی اپنے ذوق رفیع کی ساری صلاحیتوں کو وقف کر دیا ہے۔ کتاب دیکھتے ہی دل اس پر فریفتہ ہو جاتا ہے۔ اور اس کے مطالعہ کے لئے انسان بے چین ہو جاتا ہے۔ اس کے پڑھنے کے بعد اس کا قاری محسوس کرتا ہے کہ اس نے اِس مختصر لیکن جامع کتاب کے مطالعہ سے بہت کچھ حاصل کیا ہے۔ مصنف نے حضور ﷺ کی مندرجہ بالا حدیث کو بھی بڑے خوبصورت انداز میں حضور کی امت کے سامنے پیش کیا ہے اللہ تعالیٰ اس مرد فقیر کے ذوق میں اور اضافہ کرے۔ اس کو اپنی مزید توفیقات سے مؤید فرمائے تا کہ وہ محسن انسانیت ﷺ کی عظمتوں اور کمالات کو زیباترین انداز میں حضورؐ کی امت کے سامنے پیش کرتا رہے اور امت اس سے فیض یاب ہوتی رہے۔ آمین!

محمد معلم اخلاق، ندیم باری، فقیر محمد

سیرت اکیڈمی فیصل آباد

سرآغاز

ہمارے محترم و مکرم دوست جناب مولانا طالب ہاشمی کا اسم گرامی آج کسی تعارف اور تعریف کا احتیاج مند نہیں۔ ہمارے دینی ادب اور بالخصوص اسلامی تاریخ کے موضوعات پر ان کا نام نہ صرف مشہور اور معروف ہے بلکہ علمی حلقوں میں بہت حد تک مقبول اور ہر دلعزیز بھی ہو چکا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ جناب طالبؔ ہاشمی کا نام اور تاریخ اسلام کا موضوع آج لازم و ملزوم کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں تو اس میں ہرگز کسی مبالغے کا شائبہ نہ ہوگا۔ اس دعوے کا ثبوت یہ ہے کہ جناب طالبؔ ہاشمی نے گزشتہ ربع صدی کے دوران میں تاریخ اسلام کے متعدد اہم پہلوؤں پر نہایت بلیغ پیرائے میں جو گرانقدر معلومات فراہم کی ہیں انہوں نے اردو ادب کے دامن کو مالا مال کر دیا ہے۔

اس سے پیشتر ان کے خامہ تحقیق سے جو قابل قدر تالیفات منظر عام پر آ چکی ہیں، ان میں ...... تمیں پروانے شمع رسالتؐ کے، خیر البشرؐ کے چالیس جاں نثارؓ، سیرت حضرت ابوایوب انصاریؓ، سیرت حضرت سعدؓ بن ابی وقاص، سیرت حضرت عبداللہؓ بن زبیرؓ، تذکار صحابیاتؓ، سلطان نورالدین زنگیؒ، سلطان ملک شاہ سلجوقی، الملک الظاہر

بیبرس، تذکرۂ بابا فرید الدین مسعودؒ گنج شکرؒ، حکایات صوفیہ، حکایات سعدیؒ، حکایات رومیؒ، اخلاق پیغمبری، ارشادات دانائے کونینؐ، سوز جامیؒ سفر نامہ آخرت، تذکرہ خواجہ اجمیریؒ، تذکرہ شاہ جیلانؒ، معجزات سرور کونین ﷺ، سیرت حضرت عبداللہؓ بن مسعود، یہ تیرے پراسرار بندے، صحابیاتؓ و عارفاتؒ، اور ابو یوسف یعقوب المنصور باللہ شامل ہیں۔

زیر نظر کتاب ''رحمت دارینؐ کے سوشیدائیؓ'' سرور کائنات، سرکار دو عالم، خیر البشر، رحمۃ للعلمین، شافع المذنبین، سید الانبیاء والمرسلین حضور محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی مبارک زندگیوں اور ان کے واقعات وحالات کے سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ یہ موضوع اپنی اہمیت کے اعتبار سے جس قدر وسیع اور وقیع ہے۔ اس سے کون مسلمان بے خبر ہوگا جبکہ اس دانائے سبل، مولائے کل اور ختم الرسلؐ کا ارشاد گرامی ہے کہ:

اَصۡحَابِیۡ کَالنُّجُوۡمِ بِاَیِّهِمۡ اِقۡتَدَیۡتُمۡ اِهۡتَدَیۡتُمۡ

''میرے سب ساتھی ستاروں کی مانند ہیں۔ سوتم ان میں سے کسی کی پیروی کروگے، ہدایت پاؤ گے''۔

ان سطور مین جناب طالبؔ ہاشمی کی جن کتابوں کے نام سامنے آئے ہیں، ان میں سے تیس پروانے شمع رسالتؐ کے، خیر البشرؐ کے چالیس جاں نثارؓ، سیرت حضرت ابوایوب انصاریؓ، سیرت حضرت سعدؓ بن ابی وقاص، اور سیرت حضرت عبداللہؓ بن زبیرؓ سب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے مبارک تذکروں ہی کے موضوع پر ہیں۔ زیر نظر کتاب کا موضوع بھی اصحاب رسولؐ کے حالات مبارکہ ہیں۔

یہ ایک ایسا موضوع ہے، جس کی اہمیت اپنی جگہ پر اس قدر واضح ہے کہ اس

کے ذکر کی زیادہ ضرورت محسوس نہیں ہونی چاہیے لیکن یہ پہلو کس قدر وجہ تاسف ہے کہ اس سے پیشتر اس پر اس قدر توجہ نہیں دی گئی جس قدر اس کی ضرورت تھی۔ خاص طور پر ہماری قومی زبان اردو میں اس سلسلے میں جناب طالبؔ ہاشمی سے پہلے زیادہ کام نہیں کیا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ اس نہایت اہم اور مہتم بالشان موضوع کا مطالعہ کرنے اور خصوصاً تحقیق کے اشتیاق مندوں کو عربی مآخذ کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا اور ظاہر ہے کہ عربی کتابوں سے براہ راست استفادہ کر سکنے والوں کی تعداد ہمارے یہاں معدود اور محدود ہے۔

عربی میں اس موضوع پر جو قابل ذکر کتب موجود ہیں ان میں سے ''اسد الغابہ''، ''طبقات الکبیر''، ''الاصابہ فی تمییز الصحابہ'' اور ''الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب'' خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

اردو میں جناب طالبؔ ہاشمی سے پہلے ہمارے وطن عزیز میں کسی نے اس سلسلے میں اس پیمانے پر کام نہیں کیا۔ اس سلسلے میں جو تھوڑا بہت کام ہوا ہے، وہ بھارت میں ہوا ہے۔ پاکستان میں یہ سعادت صرف اور صرف جناب طالب حاشمی کے حصے میں آئی ہے۔ اس اعتبار سے جناب طالب ہاشمی اپنی ذات میں ایک ادارہ ہیں۔ ان کی یہ کتابیں پڑھنے کے بعد اس حقیقت کا اندازہ کرنے میں زیادہ مشکل پیش نہیں آئے گی کہ وہ اس میدان میں کس قدر نمایاں اور کس درجہ قابل قدر کام کر چکے ہیں۔

جناب طالب ہاشمی نے خاص طور پر صحابہ کرامؓ اور صحابیاتؓ کے حالات زندگی فراہم کرنے میں جس قدر تحقیق اور کاوش و کوشش سے کام لیا ہے۔ اس کی جزئیات اور تفاصیل کا اندازہ کر کے موضوع سے ان کے قلبی لگاؤ کا اندازہ مشکل

نہیں۔ اس سلسلے میں جناب طالب ہاشمی کی ہر کتاب اپنی موضوع پر معلومات کا ایسا دائرۃ المعارف ہے جس میں سراسر افادیت ہی افادیت ہے۔ اس میں مشام جان کو معطر کرنے والی خوشبو بھی ہے اور قلب ونظر کو جلا بخشنے کا سامان بھی۔

میں جناب طالب ہاشمی کے اسلوب تحریر اور ان کی کتابوں کی زبان و بیان کے بارے میں صرف اس قدر گواہی دینا چاہتا ہوں کہ وہ سادہ، آسان اور دلکش ہے۔ وہ اس انداز سے لکھتے ہیں کہ کہیں اغلاق یا ابہام کا شائبہ تک نہیں ہوتا اور ہر بات آئینہ ہوتی چلی جاتی ہے۔

جناب طالب ہاشمی کی ہر کتاب اور خصوصاً صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے حالات مبارکہ پر ان کی تالیفات جس بے پناہ مطالعے اور عرق ریزی سے معرض وجود میں آئی ہیں، ان کا اقتضاء ہے کہ ہمارے اہل وطن ان کے مطالعے سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کریں۔ خاص طور پر مسلمان طلباء وطالبات کی تعمیر سیرت اور تشکیل کردار کے لیے ہمارے تعلیمی اداروں کے کتب خانوں میں اس قسم کی کتابوں کا موجود ہونا بہت زیادہ ضروری ہے۔

آخر میں جناب طالب ہاشمی اور ان کی علمی کاوشوں کے سلسلے میں میری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی محنت وکوشش کو زیادہ سے زیادہ بارآور فرمائے۔

وَاٰخِرُ دَعوَانَا اَنِ الْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

محمد کرم شاہ

رحمت دارینؐ کے سوشیدائیؓ، طالب الہاشمی

شعاع ادب، مسلم مسجد۔ چوک انارکلی لاہور، فروری ۱۹۸۳ء، ص: ۱۱۔۱۴

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

الحمدللہ نحمدہٗ ونستعینہٗ ونستغفرہٗ ونومن بہ ونتوکل علیہ۔ ونصلی و نسلم علی افضل من طاب بہ النجار و سمی بہ الفخار واستنارت بنور جبینہٖ الاقماد و تضاءلت عند جود یمینہ الغمائم والبحار سیدنا ونبینا محمد وعلی الہ الاطہار واصحابہ الاخیار ماشجعت فی ایکھا الاطیار......امابعد:

امت مسلمہ پر اللہ تعالٰی کا یہ خاص فضل واحسان رہا ہے کہ جب کبھی اس پر ادبار وانحطاط کا دور آیا قدرت الٰہی نے اسے کسی ایسی دلنواز شخصیت سے سرفراز فرمادیا جو اس کے مطلع حیات پر چودھویں کا چاند بن کر چمکی اور اپنی ضوفشانیوں سے محرومیوں مایوسیوں اور ہر قسم کی ظلمتوں کو کافور کردیا۔ جب بھی سفینہ ملت کسی گرداب میں پھنسا تو اسے کوئی ایسا جوانمرد ناخدا مرحمت فرمادیا جس نے اسے خطرناک گردابوں سے نکال

کر بہ ساحل مراد تک پہنچا دیا۔

انہیں مسعود وار جمند ہستیوں کی فہرست میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا نام نامی چمکتا دمکتا نظر آتا ہے۔ آپ نے سیاسی زوال وانحطاط کے دور میں ہندوستان کی غیر مسلم اکثریت میں گھری ہوئی ملت مسلمہ کو نیست و نابود ہونے سے بچالیا، ان کے گرتے ہوئے حوصلوں کو سنبھالا دیا۔ ان کے فرسودہ افکار و نظریات کو حیات نوارزانی فرمائی ان کی زندگی آلودہ قوت کو صیقل کیا اور انہیں اس قابل کر دیا کہ وہ پھر کارزار حیات میں باطل کو للکار سکیں۔ حضرت شاہ صاحب کا وجود مسعود اللہ تعالیٰ کی ایک گراں بہا نعمت ہے لیکن اس نعمت کی گراں قدری کا صحیح اندازہ اس وقت لگایا جا سکتا ہے۔ جب ہم ان سیاسی معاشرتی حالات کا جائزہ لیں جو اس ہندوستان میں رونما ہو چکے تھے۔

آپ کی ولادت باسعادت بتاریخ ۴ رشوال ۱۱۱۴ھ مطابق ۱۰ رفروری ۱۷۰۳ء بروز چہار شنبہ بوقت طلوع آفتاب ہوئی آپ کا سلسلہ نسب والد کی طرف سے تیس واسطوں سے حضرت فاروق اعظم تک اور والدہ کی طرف سے امام موسیٰ کاظم تک، رضی اللہ عنہما، پہنچتا ہے۔ اپنے نام کے بارے میں حضرت شاہ صاحب ''انفاس العارفین'' میں رقم طراز ہیں

''میرے والد ماجد، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی قدس سرہٗ کی مزار مبارک کی زیارت کو گئے۔ حضرت بختیار کاکی نے لڑکے کی بشارت دی اور فرمایا اس کا نام قطب الدین رکھنا۔ میں پیدا ہوا تو والد ماجد یہ نام رکھنا بھول گئے۔ بعد میں یاد آنے پر قطب الدین نام رکھا''۔

آپ کا وصال ۲۹ر محرم الحرام ۱۱۷۶ھ مطابق ۲۰ راگست ۱۷۶۲ء بوقت ظہر اکسٹھ سال چار ماہ کی عمر میں ہوا۔ دہلی کی شہر پناہ سے باہر بجانب جنوب ترکمان دروازہ کی طرف آپ کا مزار شریف ہے۔

اس عرصہ میں جو بادشاہ دہلی کے تخت پر متمکن ہوئے ان کے نام بمع مدت حکومت درج ذیل ہیں:

نمبر شمار	نام بادشاہ	تاریخ آغاز	مدت حکومت
(۱)	عالمگیر محی الدین محمد اورنگ زیبؒ	یکم ذی القعدہ ۱۰۶۸ھ ۳۰ر جولائی ۱۶۵۸ء	
(۲)	شاہ عالم اول بہادر قطب الدین محمد	۲۸ ذی القعدہ ۱۱۱۸ھ ۳ مارچ ۱۷۰۷ء	چند ماہ
(۳)	جہاندار شاہ معز الدین	۱۹ر محرم ۱۱۲۴ھ ۲۸ر فروری ۱۷۱۲ء	گیارہ ماہ چند دن
(۴)	فرخ سیر معین الدین احمد	۲۳ر ذی الحجہ ۱۱۲۴ھ ۹ر جون ۱۷۱۳ء	چھ سال چند ماہ
(۵)	رفیع الدرجات شمس الدین محمد ابوالبرکات	۸ر ربیع الثانی ۱۱۳۱ھ ۲۸ فروری ۱۷۱۹ء	تقریباً پانچ ماہ
(۶)	شاہجہان ثانی شمس الدین محمد رفیع الدولہ	۱۹ر رجب ۱۱۳۱ھ ۷ر جون ۱۷۱۹ء	تقریباً چار ماہ
(۷)	محمد شاہ، روشن اختر، ناصر الدین	۲۵ر ذی قعدہ ۱۱۳۱ھ ۹ر اکتوبر ۱۷۱۹ء	تقریباً تیس سال

(۸)	احمد شاہ بہادر مجاہد الدین	۲۷ر ربیع الثانی ۱۱۶۱ھ	
		۲۷/اپریل ۱۷۴۸ء	تقریباً چھ سال
(۹)	عالمگیر ثانی عزالدین محمد	۲/شعبان ۱۱۶۷ھ	
		۵/جون ۱۷۵۴ء	تقریباً چھ سال
(۱۰)	شاہجہان ثالث	۲۰/ربیع الثانی ۱۱۷۴ھ	
		۳۰/نومبر ۱۷۵۹ء	چودہ دن
(۱۱)	شاہ عالم ثانی جلال الدین محمد	۴/جمادی الاول ۱۱۷۳ھ	
		۲۵/دسمبر ۱۷۵۹ء تا ۱۸۰۶ء	

حضرت شاہ صاحب کی عمر اورنگ زیب عالمگیر کی وفات کے وقت تقریباً چار سال تھی اور شاہ عالم ثانی کی حکومت کے ابھی اڑھائی سال گزرے تھے کہ آپ نے اس عالم فانی کو الوداع کہا اور راہی ملک بقا ہوئے۔

سلاطین کی مندرجہ بالا جدول کو دیکھنے کے بعد انسان بآسانی اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ ان میں سے کوئی بھی بااختیار نہ تھا۔ محمد شاہ کے بغیر جتنے بھی بادشاہ گزرے ہیں ان کو اطمینان سے حکومت کرنے کا موقع نہیں ملا۔ ان میں سے بیشتر یا تو قید ہوئے یا تہ تیغ کر دیئے گئے۔ جہاندار شاہ قتل ہوا۔ فرخ سیر کو اندھا کر کے قید کیا گیا پھر اسے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ رفیع الدرجات چار ماہ بھی حکومت نہ کر سکا کہ مر گیا۔ رفیع الدولہ کی تخت نشینی کی مدت بھی چار ماہ سے زائد نہ تھی۔ احمد شاہ کو اندھا کر دیا گیا، پھر قید کر دیا گیا۔ اور عالمگیر ثانی کو قتل کیا گیا۔

قلیل عرصہ میں گیارہ بادشاہوں کا تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد تخت نشین ہونا اور عبرتناک انجام کو پہنچنا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مملکت مغلیہ پر نزع کا عالم

طاری تھا، بادشاہ کی اپنی کوئی حیثیت نہ تھی، درباری امراء کے ہاتھ میں وہ مٹی کا ایک کھلونا تھا۔ وہ جب چاہتے اس کو زمین پر پٹخ کر ریزہ ریزہ کر دیتے۔ جب سیاسی افراتفری کا یہ عالم ہو تو قوم کے اخلاقی زوال اور معاشی تباہ حالی کے بارے میں کسی تبصرہ کی ضرورت نہیں ہوتی۔

کمزور طبع اور عیش پسند بادشاہوں کی وجہ سے ملک بھر میں طوائف الملوکی کی وباء پھوٹ نکلی۔ جہاں کسی طالع آزما کا حالات نے ساتھ دیا اس نے اپنی آزاد مملکت کا اعلان کر دیا بنگال اور بہار کے دور افتادہ صوبوں پر علی وردی خان نے قبضہ کر لیا۔ اودھ پر برہان الملک اور صفدر جنگ قابض ہو گئے۔ روہیل کھنڈ اور دوآبہ میں روہیوں اور بنگشوں نے اپنی خود مختاری کا پرچم لہرا دیا۔ دکن میں نظام الملک نے اپنی آزاد حکومت قائم کر لی۔ مسلمان صوبیداروں کی خود غرضی اور عاقبت نااندیشی کے باعث غیر مسلم طاقتیں بھی سر اٹھانے لگیں۔ انہوں نے بھی دہلی کی حکومت کی اطاعت کا قلادہ گردنوں سے اتار پھینکا۔ مرہٹے، جاٹ اور سکھ جنگجو قومیں تھیں انہوں نے مسلمان آبادیوں پر شب خون مارنے شروع کر دیئے اور جہاں جہاں ان کا بس چلا اپنی آزاد مملکتیں قائم کر لیں۔ داخلی، انتشار کے باعث بیرون ملک سے بھی کئی مہم جو اشخاص نے ہندوستان کو برسہا برس تک خوان یغما بنائے رکھا۔ نادر شاہ ایرانی، احمد شاہ ابدالی کے حملے، بنگال میں انگریزوں کی پیش قدمی اور پلاسی کے میدان جنگ میں جعفر کی غداری سے سراج الدولہ کی شکست اسی دور کے واقعات ہیں۔

اسی پس منظر میں حضرت شاہ ولی اللہ کی شخصیت اور ان کے تاریخ ساز کارنامے نمایاں ہوئے ہیں۔

شہاب الدین غوری جو پہلے مسلم فاتح تھے جنہوں نے ہندوستان میں اسلامی حکومت کی بنیاد رکھی۔ ان کے دور سے لے کر لودھی خاندان تک تمام حکمران خانوادے سنی اور حنفی تھے۔ لیکن دوسرے مغل بادشاہ نصیر الدین ہمایوں کو شیر شاہ سوری نے شکست دے کر ہندوستان چھوڑنے پر مجبور کر دیا تو اس نے ایران میں جا کر پناہ لی۔ اور کچھ عرصہ بعد ایرانی بادشاہ کی مدد سے اپنا کھویا ہوا تاج و تخت واپس لیا۔ اس وقت سے دربار شاہی میں ایرانی عنصر جو شیعہ تھا، دخیل ہو گیا یوں تورانی امراء جو سنی تھے اور ایرانی امراء جو شیعہ تھے ان میں باہمی رقابت کا آغاز ہوا۔ جب تک دور اندیش اور اولوالعزم مغل سلاطین تخت حکومت پر متمکن رہے انہوں نے کوئی ایسی صورت حال پیدا نہ ہونے دی۔ جس میں یہ خلفشار اور کشمکش مملکت کی سالمیت کے لیے نقصان کا باعث ہو لیکن جب کمزور اور عیاش شہزادے تاج شاہی پہن کر تخت طاؤس پر بیٹھے اس وقت سے اس آویزش نے خطرناک صورت حال اختیار کر لی اور امراء دربار کا جو گروہ غالب آتا۔ وہ اپنے پسند کے شہزادے کو تخت شاہی پر بٹھا دیتا اور پہلے بادشاہ کو قتل کر دیتا یا اس کی آنکھوں میں گرم سلائی پھیر کر اندھا کر دیتا اور قید خانہ کی کسی کوٹھڑی میں اسے بند کر دیتا۔

جادو ناتھ سرکار، جو ہندوستان کا قابل اعتماد مؤرخ ہے لکھتا ہے:

"آخری مغلیہ دور کی تاریخ انہیں دو گروہوں کی جنگ و جدال کی تاریخ ہے"۔

سادات بارہ نے جو شیعہ تھے اپنے ہاتھ مضبوط کرنے کے لیے مرہٹہ جیسی اسلام دشمن طاقت کے ساتھ معاہدہ کرنے میں کوئی قباحت محسوس نہ کی۔ جنوبی ہند میں سیوا جی کی سرکردگی میں مرہٹوں کی تاریخ ایک طوفان بن کر ابھری۔ لیکن عالمگیر رحمۃ

اللہ علیہ کی اولوالعزمی نے ان کے تمام منصوبوں کو خاک میں ملا دیا۔لیکن ان کی وفات کے بعد پھر انہوں نے بلڑ بازی شروع کی اور دہلی کے گردونواح تک بڑھتے چلے آئے ۱۷۵۷ء میں انہوں نے جاٹوں کی مدد سے دہلی پر حملہ کیا اور مرہٹوں نے اپریل ۱۷۵۸ء میں لاہور پر قبضہ کر لیا۔۹رذی الحجہ ۱۱۷۴ھ مطابق ۳ر اگست ۱۷۶۰ء کو مرہٹوں کے سپہ سالار ''بھاؤ'' نے لال قلعہ پر قبضہ کرلیا۔اور شاہی حرم سرا کے ساتھ تمام کارخانے ان کے تصرف میں آ گئے۔اگر ۱۴ر جنوری ۱۷۶۱ء کو احمد شاہ ابدالی نے پانی پت کے میدان میں مرہٹوں کا خاتمہ نہ کر دیا ہوتا تو یقیناً مغلوں کا تخت طاؤس کسی مرہٹہ بادشاہ کے قدموں میں ہوتا۔احمد شاہ ابدالی نے پانی پت کے میدان میں دو لاکھ مرہٹوں کو تہ تیغ کیا۔اسی جنگ میں ان کا سپہ سالار، بھاؤ، اور ان کا متوقع تاجدار 'بسواس راؤ' بھی موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ہندوستان کے شمال مغرب میں سکھوں نے اودھم مچا رکھا تھا جہاں جہاں ان کا تسلط قائم ہوتا وہاں مسلمانوں پر قیامت ٹوٹ پڑتی ان کے مقبوضہ علاقوں میں کسی مسلمان کو اجازت نہ تھی کہ وہ بلند آواز سے آذان دے سکے، انہوں نے مسجدوں کی حرمت و تقدس کو بھی پامال کر دیا تھا۔مسجدوں میں گرنتھ پڑھا جاتا اور مسجد کو مست گڑھ کہا جاتا۔اسی طرح جاٹ قوم جو دہلی اور آگرہ کے درمیانی علاقہ میں آباد تھی اس نے ان علاقہ کا امن وسکون برباد کر دیا تھا۔اب دہلی سے آگرہ جانے والی شاہراہ ان کے قبضہ میں تھی جس قافلہ کو چاہتے لوٹ لیتے اور جس قافلہ کو چاہتے منزل کی طرف بڑھنے سے روک دیتے۔دہلی کے بادشاہ میں یہ دم خم نہ تھا کہ وہ ان سے باز پرس کر سکے۔

نادر شاہ کا حملہ

سید برادران کے خاتمہ کے بعد ایرانی گروہ کی طاقت کمزور پڑ گئی اس لیے انہوں نے نادر شاہ کو ہندوستان پر حملہ کرنے کی دعوت دی۔ نادر شاہ، محمد شاہی عہد میں ۹/ذی الحجہ کو دہلی میں داخل ہوا۔ دوسرے دن عید الاضحیٰ کے خطبے میں محمد شاہ کے نام کے ساتھ نادر شاہ کا نام آتے ہی شہر میں کہرام مچ گیا۔ شہریوں نے نادر شاہ کے سپاہیوں کے ساتھ بدسلوکی کی۔ اس طرح نادر شاہ کو قتل عام اور غارت گری کا موقع مل گیا عید قربان کے تیسرے یا چوتھے روز اس نے قتل عام کا چنگیزی طریقہ اختیار کیا۔ آٹھ نو گھنٹے قتل عام جاری رہا۔ جس میں کم از کم تیس ہزار اور زیادہ سے زیادہ ایک لاکھ آدمی مارے گئے لوٹ مار کا سلسلہ تو کئی ہفتوں تک جاری رہا۔

شاہ صاحب کے عہد میں سیاسی ابتری کا نقشہ آپ نے ملاحظہ فرمایا جس ملک میں سیاسی استحکام مفقود ہوتا ہے معاشی بدحالی اور اخلاقی انحطاط خود بخود رونما ہو جاتا ہے عام رعایا کا تو کیا کہنا شاہی مطبخ میں بھی تین تین روز تک آگ نہیں جلتی تھی۔

حضرت شاہ صاحب نے ان ناگفتہ بہ حالات میں ایک بے بس اور خاموش تماشائی کی طرح زندگی بسر نہیں کی بلکہ ہر محاذ پر اپنی خداداد صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے داد شجاعت لی۔ سیاسی حالات پر قابو پانے کے لیے انہوں نے عیاش بادشاہوں، اخلاق باختہ امراء اور ضمیر فروش رؤساء کو خواب غفلت سے جھنجھوڑا اور انہیں اپنے فرائض کی ادائیگی کی طرف بڑی سختی سے متوجہ کیا انہوں نے تمام ایسے افراد سے رابطہ قائم کیا جو ملک کو سیاسی تباہی سے بچانے کے لیے معاون ثابت ہو سکتے تھے۔ جب مرہٹوں کی زیادتیاں انتہا کو پہنچ گئیں اور آپ کی دور بین نگاہ نے بھانپ لیا کہ

ہندوستان میں کوئی ایسی شخصیت نہیں جو اس طوفان بدتمیزی کا رخ موڑ سکے تو آپ نے احمد شاہ ابدالی والی افغانستان سے خط و کتابت شروع کی اور اس کو امادہ کیا کہ وہ آگے بڑھے اور امت مسلمہ کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو غرق ہونے سے بچائے۔ آپ کی حوصلہ افزائی اور ترغیب پر ہی اس نے ہندوستان پر چڑھائی کی اور پانی پت کے میدان میں مرہٹوں کو فیصلہ کن شکست دی۔ اگر آپ اس کو ترغیب نہ دیتے اور اس کے حوصلہ افزائی نہ کرتے اور ابدالی میدان میں نہ آتا تو معلوم نہیں ان سفاک اور درندہ صفت مرہٹوں کے ہاتھوں امت مسلمہ کا کیا حشر ہوتا۔

آپ نے قوم کی اخلاقی اصلاح کے لیے بھی اپنے علم و فضل کو بڑی سلیقہ شعاری سے استعمال کیا علماء صوفیاء، روساء اہل صنعت و حرفت، تجار، زمینداروں کو بڑی شدت سے ان کی خامیوں کی طرف متوجہ کیا۔ ہندوستان میں اس وقت آپ کی ہی منفرد شخصیت تھی جو شاہان وقت کے غرور و نخوت کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سچی بات کہہ سکتی تھی۔

ان گوناگوں مصروفیتوں کے باوجود فقر و درویشی سے ان کا تعلق پوری شان و شوکت سے قائم رہا۔ اپنی کثیر التعداد تصنیفات میں انہوں نے صوفیاء کرام کی صحیح تعلیمات کو یوں نکھار کر پیش کیا کہ شکوک و شبہات کی گرد چھٹ گئی اور حقیقت کا رخ زیبا اپنی جملہ رعنائیوں کے ساتھ پھر دلوں کو موہنے لگا۔

آپ نے امت کے ہر طبقہ کی اصلاح کے لیے بھرپور کوشش کی۔ علماء فقہاء کو خبردار کیا کہ وہ تقلید جامد سے باز آئیں۔ آپ کی تصنیفات کی تعداد سینکڑوں سے زیادہ ہے قرآن کریم کے فارسی ترجمہ سے لے کر حجۃ اللہ البالغہ جیسی ادق اور پراز

حکمت کتاب تک آپ نے زندگی کا کوئی گوشہ نہیں چھوڑا جس پر طبع آزمائی نہ کی ہو۔

آپ کی تاریخ ساز شخصیت اور حیات آفریں کارناموں کے باعث آپ کی شہرت ملک کے گوشہ گوشتہ میں پہنچ گئی تھی ہر شخص آپ کو ادب واحترام کی نظر سے دیکھا کرتا تھا۔ آپ کی خداداد مقبولیت سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے بعض بدمذہبوں نے خود کتابیں تالیف کیں جن میں اپنے عقائد باطلہ کو بیان کیا اور اہلسنت کے عقائد حقہ پر طعن و تشنیع کی حد کر دی پھر ان کتابوں کو حضرت شاہ صاحب کی طرف منسوب کر دیا تاکہ ان کے نام کی وجہ سے ان کھوٹے سکوں کو بھی لوگ آنکھیں بند کر کے قبول کرتے جائیں۔ ان کتب میں جو تصنیف کر کے آپ کی طرف منسوب کی گئیں درج ذیل ہیں

(۱) البلاغ المبین

(۲) تحفۃ الموحدین

(۳) قرۃ العینین فی ابطال شہادۃ الحسین

(۴) الجنۃ العالیۃ فی مناقب المعاویہ

خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

علماء محققین نے پوری تحقیق کے بعد یہ ثابت کیا ہے کہ ان کی نسبت حضرت شاہ صاحب کی طرف محض جھوٹ ہے۔

وہ ایک صوفی گھرانے میں پیدا ہوئے تھے ان کے والد بزرگوار حضرت شاہ عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ، اپنے زمانہ کے جلیل القدر نقشبندی صوفی تھے اس لیے تصوف سے انہیں فطری لگاؤ تھا۔ وہ اس کی افادیت اور اثر انگیزی کو تہ دل سے تسلیم کرتے تھے۔ تصوف کی بنیاد اللہ تعالیٰ سے محبت اور اس کے محبوب کریم ﷺ سے بے پایاں

عشق پر ہے۔آپ کے دل نیاز مند کو جو براہ راست تعلق سرکار رسالت مآب ﷺ سے تھا، وہ آپ کی کتابوں کا مطالعہ کرنے والوں سے مخفی نہیں محبوب رب العالمین کی نگاہ لطف وکرم جس طرح آپ کی تربیت فرماتی رہی اور آپ کی خداداد صلاحیتوں کو پروان چڑھاتی رہی اس کی جھلکیاں قارئین کو فیوض الحرمین، درثمین، اس کے علاوہ آپ کی دیگر تصنیفات میں جا بجا نظر آتی ہیں۔مرقع حسن ودلبری ﷺ سے آپ کو جو بے پایاں عشق اور بے اندازہ محبت تھی۔ان کیفیات نے ان عربی قصیدوں کا روپ اختیار کرلیا جوانہوں نے اللہ تعالیٰ کے محبوب کریم ﷺ کی مدح وثنا میں نظم کیے ہیں۔

یہ دوشعر آپ بھی پڑھیئے اور اگر میخانہ محبت سے کوئی گھونٹ نصیب ہوا ہے تو ان میں جو کیف وسرور ہے اس سے لطف اندوز ہونے کی سعادت حاصل کیجئے۔

من شاء فليذكر جمال بثنية

من شاء فليغزل بحب الزيانب

سأذكر حُبّي للحبيب محمد

اذا ذكر العشاق حب الحبائب

ترجمہ:

(۱) جس کا جی چاہے وہ بثینہ (عرب کی محبوبہ) کے حسن وجمال کا تذکرہ کرتا رہے۔

(۲) جس کا جی چاہے وہ دوسرے حسینوں کے عشق میں غزل گوئی کرتا رہے۔

(۳) جب دوسرے لوگ اپنے محبوبوں کے حسن وکمال کی تعریف کریں گے۔

(۴) میں تو صرف اپنے محبوب سے جن کا نام نامی محمد ہے جذبات عشق کا اظہار کروں گا۔

آپ کا مجموعہ قصائد جس کو آپ نے اطیب النغم فی مدح سید العرب والعجم ﷺ کے مبارک نام سے موسوم کیا ہے۔ ان میں سے قصیدہ بائیہ اور قصیدہ ہمزیہ کے مشکل الفاظ کی تشریح اور ان اشعار کی فارسی شرح بھی آپ نے اپنے مبارک قلم سے لکھی ہے۔

اس کا آخری مطبوعہ ایڈیشن جو میری نظر سے گزرا ہے وہ مطبع مجتبائی دہلی میں طبع ہوا اس پر تاریخ طباعت ۱۳۰۸ھ درج ہے یعنی تقریباً چھیانوے سال پہلے۔

ایک اور مطبوعہ نسخہ اس کے بعد کا بھی میری نظر سے گذرا جس پر تاریخ طباعت ۱۳۳۴ھ لکھی ہے اس میں کسی بزرگ نے اشعار کی اردو میں تشریح تو کی ہے لیکن حضرت شاہ صاحب کی فارسی شرح نقل کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی۔ اس کو بھی طبع ہوئے تقریباً ستر سال گزر چکے ہیں۔

ضیاء القرآن پبلی کیشنز (وقف) لاہور اور اس کے جواں ہمت اور جواں سال ناظم عزیز محمد حفیظ البرکات شاہ مستحق صد تبریک ہیں کہ انہوں نے اس دور میں ان قصائد کی اہمیت کا احساس کیا اور ان کو حضرت شاہ صاحب کی فارسی شرح کے ساتھ شائع کیا۔

یہ فقیر بھی اپنے رب کریم کا تہ دل سے شکر گزار ہے کہ اس نے اس پر تقصیر کو یہ شرف و سعادت ارزانی فرمائی کہ اس شرح کو میں نے اردو کا جامعہ پہنایا تا کہ ہمارے عام قارئین بھی اس سے مستفید ہو سکیں۔ اس مجموعہ قصائد کی جو روحانی اور وجدانی برکتیں ہیں ان سے لطف اندوز ہونا تو انہی لوگوں کا حصہ ہے۔ جو خلوص نیت سے اس کا مطالعہ کریں گے لیکن ان کے علاوہ بھی اس مجموعہ قصائد کی طباعت کے گونا گوں فوائد ہیں۔ اطیب النغم ادب عربی کا ایک شاہکار ہے فصاحت و بلاغت کا ایک حسین مرقع ہے اور اس کی فارسی شرح اسرار و معانی کا ایک خزینہ ہے جو چھیانوے

سال سے گلدستہ طاق نسیاں بنا ہوا تھا عوام تو کجا خواص بھی اس سے استفادہ کرنے سے محروم تھے اس مجموعہ کی طباعت سے اب محرومی کا یہ دور ختم ہو جائے گا اور حضرت شاہ صاحب کا ہر عقیدت مند آپ کے اس کلام معجز نظام سے مستفید ہو سکے گا بلکہ آپ کے عقائد و نظریات سے بھی اس کو آگاہی حاصل ہو گی جس کے باعث وہ طرح طرح کی ان غلط فہمیوں سے اپنا بچاؤ کر سکے گا جس میں آج لوگ کثرت سے مبتلا ہوتے چلے جا رہے ہیں۔

میری تجویز تو یہ ہے کہ ان پاکیزہ قصائد کو عربی مدارس کے نصاب میں شامل کیا جائے جس طرح ہم نے مرکزی دار العلوم محمویہ غوثیہ بھیرہ ضلع سرگودھا کے نصاب میں اسے شامل کیا ہوا ہے اس طرح ہم عربی ادب کے نوخیز طلبہ میں عربی ادب کا صحیح ذوق پیدا کرنے میں کامیاب ہو سکیں گے اور یہ بات بھی ان کے لیے حوصلہ افزائی کا باعث ہو گی کہ خاک ہند سے پیدا ہونے والا ایک عاشق رسول اپنے پیارے رسول کی زبان میں کتنی مہارت اور دستگاہ رکھتا ہے اور کس ذوق و شوق سے اپنے جذبات محبت کو بصد ادب و نیاز اپنے محبوب کریم ﷺ کی بارگاہ عالی میں پیش کر کے نگاہ لطف و کرم کا امیدوار بنتا ہے۔

بجائے اس کے کہ ہمارے نصاب میں امرؤ القیس وغیرہ کے قصائد داخل ہوں جن میں جاہلی عربیت تو ہے لیکن اسلامی ادبیت مفقود ہے ہم ایسے قصائد کو داخل نصاب کریں تو یہ بہترین نعم البدل ہو گا۔

ان ابتدائی کلمات کے ساتھ میں شمع جمال مصطفوی ﷺ کے پروانوں اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے قدردانوں اور مداحوں کی خدمت

میں یہ مجموعہ قصائد پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم و تب علینا انک انت التواب الرحیم بجاہ حبیبک الکریم و نبیک الرؤف الرحیم. علیہ وعلٰی الہٖ من الصلوات ازکھا ومن التحیات انمٰھا ومن التسلیمات اوفٰھا

الفقیر الی رحمة ربه

التمسک بذیل نبیه

العبد المسکین

محمد کرم شاہ

۱۷ رمضان المبارک ۱۴۰۴ھ

۱۷ جون ۱۹۸۴ء۔

دارالعلوم محمدیہ غوثیہ

بھیرہ

قصیدہ اطیب النغم، حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی، اردو ترجمہ پیر محمد کرم شاہ الازہری ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور مارچ ۱۹۸۵ء، ص: ۵۔۱۹

مقدمہ

از

جسٹس حضرت پیر محمد کرم شاہ صاحب

(ایم اے آنرز (الازہر) سجادہ نشین بھیرہ شریف)

عشق مصطفیٰ علیہ اطیب التحیۃ واجمل الثناء سالک راہِ حق کے لیے وہ شہ پر ہے جس کے سہارے وہ حریم صمدیت تک رسائی حاصل کر سکتا ہے ورنہ کہاں یہ مشت خاک اور کہاں وہ رفعتیں اور بلندیاں جو ہمارے تصور سے بھی ماوراء ہیں، کہاں یہ حدوث، غفلت اور خطا وعصیاں سے آلودہ دامن اور کہاں یہ بارگاہ لطافت ونزہت، جہاں موج نگاہ بھی ایک حجاب سے کم نہیں۔

عشق حبیب کبریاء صلوٰت اللہ وسلامہ علیہ کی کٹھن راہ اور پرخار وادیوں کے آبلہ پا مسافروں کا ہی رحمت الٰہی آگے بڑھ کر استقبال کرتی ہے۔

یہی وہ آب حیات ہے جس کا ایک قطرہ نصیب ہو جائے تو انسان حیات جاوداں سے بہرور ہو جاتا ہے۔

یہی وہ شمع نور ہے جس کی تابشیں قلب اور نظر دونوں کو فیض یاب کرتی ہیں

اوران سے علم وحکمت کے چشمے پھوٹنے لگتے ہیں۔اس ذرۂ خاک کی سعادتمندی کا کیا کہنا جسے آفتاب جمال نے اپنی جلوہ گاہ بنایا ہو۔اس قطرۂ آب کی خوش بختی کا کون اندازہ لگا سکتا ہے جسے حسن سرمدی نے اپنے آغوش میں لے لیا ہو......درحقیقت ایسے افراد ہی شرف انسانیت کے امین ہوتے ہیں۔ اخلاقی قدروں اور روحانی عظمتوں کے نقیب ہوتے ہیں......یہی لوگ وہ منارۂ نور ہوتے ہیں جس سے یقین و ایمان کی شعاعیں پھوٹتی ہیں اور کاروان انسانیت کی شاہراہ کو منور کردیتی ہیں...... ایسے افراد کا عمل ہی ریاکاری سے منزہ اورخلوص وللّٰہیت کی مہک سے معطر ہوتا ہے......ایسے ہی دل افگار متوالوں کے سر پر قدرت اپنے ہاتھ سے محبوبیت کا تاج سجاتی ہے۔ان کی باتوں میں مقناطیس کی کشش ہوتی ہے جن کی زبان سے نکلا ہوا ایک جملہ دل کی دنیا میں ایک حشر برپا کردیتا ہے اورمحبت میں ڈوبی ہوئی ان کی ایک نگاہ، زندگی کو ایک بابرکت انقلاب سے روشناس کردیتی ہے......جن کی بارگاہ میں حاضری شقاوت کو سعادت سے بدل دیتی ہے۔ حاضری دینے والا جب جاتا ہے توشقی ہوتا ہے، جب واپس لوٹتا ہے تو سعید بن کر واپس آتا ہے۔

اسی خوش نصیب زمرہ میں سے ایک بزرگ ہستی جن کو دنیا والے حضرت الحافظ سید ظہور علی شاہ صاحب قدس سرہٗ کے نام سے پہچانتے ہیں کا ذکر مطلوب ہے، جو خانوادۂ سادات (چورہ شریف) کا ایک گل خنداں تھے۔ان کی رنگت اور نکہت دونوں لاجواب تھیں۔جن کا قول، سوز وگداز سے چمک رہا ہوتا تھا اور جن کا عمل خلوص وللّٰہیت کی خوشبو سے معطر ہوا کرتا تھا۔جن کا ظاہر و باطن یک رنگ تھا، ظاہر اگر سنت نبویؐ کے جمال وجلال سے آراستہ تھا تو باطن حسن وکمال مصطفویؐ کی غایات سے

رشکِ طور بنا ہوا تھا۔

ان خوبیوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے حبیب کریم ﷺ کے ثناء خواں ہونے کا بھی لازوال شرف ارزانی فرمایا تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ ایسے پاک طینت اور پاکباز کو ہی یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے عبد ممدوح، اس کی صفت تخلیق کے شاہکار، اس کی صفات رحمت ورأفت کے آئینہ دار گلشن خوبی وزیبائی کے گل رعنا ﷺ کی بارگاہِ اقدس میں مدح سرائی کا شرف حاصل کریں۔

ان کا نعتیہ دیوان، اس وقت اس خاکسار کے سامنے ہے۔ اگرچہ صفحات کا حجم تو زیادہ نہیں لیکن گراں بہا معانی و لطائف کا ایک سمندر ہے جو اس میں ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ اس کے مطالعہ سے یوں محسوس ہوتا ہے کہ ایک عندلیب خوش نوا گل شگفتہ کے سامنے بیٹھا ہے۔ اس کے ظاہری حسن نے اس کی نگاہوں کو مسحور کر دیا ہے۔ اس کے حقیقی جلووں سے اس کا دل سرشار ہو رہا ہے۔ اس کی نگاہیں بے قابو ہیں اس کا دل وارفتہ ہے۔ کبھی وہ اپنے محبوب کے رنگ وروپ کی ثنا کرتا ہے اور کبھی اس کی عطر بیز مہک کی بلائیں لیتا ہے۔ کبھی اس کی بیکراں فیاضیوں کے قصیدے گاتا ہے اور کبھی حیاو ادب کا دامن تھامے ہوئے اپنے دل مضطر کی حدیث شوق وذوق بیان کرنے لگتا ہے اور کبھی شب ہجر کی درازی کا شکوہ کر رہا ہے، کبھی اپنی تمناؤں اور آرزوؤں کا دامن دریدہ اس کے سامنے پھیلا کر اس کی نگاہ لطف وکرم کی بھیک مانگ رہا ہے، کبھی وہ پیکر عجز و نیاز بن کر یہ عرض کرتا سنائی دیتا ہے کہ میں فقیر بے نوا سہی، لیکن تیرے عشق نے مجھے وہ سیر چشمی اور استغناء بخش دیا ہے کہ کسی قارون کو جرأت ہی نہیں پڑتی کہ وہ میری طرف اپنا دست سخا بڑھا سکے۔ تیری نگاہ ناز نے جو دم خم اس مشت استخواں کو،

اس پیکر ضعیف و ناتواں کو ارزانی فرما دیا ہے۔ اس کی برکت سے میں وقت کے نمرودوں اور فرعونوں کو بھی خاطر میں نہیں لاتا۔

الغرض اس مختصر سے نعتیہ دیوان میں عشق، اپنے تمام رویوں میں، محبت اپنی تمام نیاز مندیوں میں، اور حسن ازل اپنی تمام رعنائیوں، دل آویزیوں اور جلوہ سامانیوں کے ساتھ عیاں اور آشکار انظر آ رہا ہے۔

میرے لیے یہ مشکل ہے کہ میں نعتوں میں سے بعض اشعار کا اس بنا پر انتخاب کر سکوں کہ یہ اشعار نعت کے دوسرے اشعار سے معنویت اور بلاغت میں برتر ہیں لیکن اس کے بغیر چارہ بھی نہیں کہ اس قدسی نفس عاشق رسول کے چند اشعار بطور تبرک ناظرین کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت سے اپنے آپ کو محروم رکھوں۔ میں بھی ان اشعار سے محظوظ ہوا ہوں میں چاہتا ہوں آپ بھی لطف اندوز ہوں۔

حضرت اقدس اپنا دامن طلب اپنے محبوب کریم ﷺ کی بارگاہ جود و کرم میں پھیلاتے ہوئے عرض کرتے ہیں:

اب تو نظر کرو کہ گل و یاسمن کھلیں
کتنی اداس ہے یہ زمیں آپ کے بغیر
کوئی نہ میرے درد کا واقف ملا مجھے
کب مطمئن ہے قلب حزیں آپ کے بغیر

اسی مضمون کو دوسری جگہ یوں پیش کرتے ہیں:

تڑپ رہا ہوں فقط تیری خاک در کے لیے
کہ خاک در ہے تیری، تاج میرے سر کے لیے

حضورؐ مجھ پہ عنایت کی اک نظر کیجئے
دل مریض ہے بے تاب چارہ گر کے لیے

اپنے محبوب کی گلی کا نقشہ کھینچتے ہوئے ایک عاشق زار یوں رقمطراز ہے:

غنچے چٹکے، گلشن مہکے، راتیں چمکیں
گویا ایک فردوس بداماں ان کی گلی ہے
ان کی گلی کے ذرے اقدسؔ چاند ستارے
مطلع نور مہر تاباں ان کی گلی ہے

کوئی یہ نہ سمجھے کہ ان کے محبوب کا سوالی صدائیں ہی لگا تا رہا، ہجر اور فراق میں آنسو ہی بہاتا رہا، لیکن اس کی جھولی میں اس کے آقا نے کبھی اپنے حسن کی خیرات نہیں ڈالی۔ عاشق کو یہ کب گوارا ہے کہ اس کے محبوب کے بارے میں کوئی اس قسم کے سوءِ ظن میں مبتلا ہو اس لیے اسرار محبت کی پاسداری کی رعایت کرتے ہوئے یہ اظہار کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

ہزار بار میں ڈوبا ہوں اور پار ہوا
کرم حضورؐ کا مجھ پر ہزار بار ہوا
میرے نصیب ہیں یاور کہ چاند طیبہ کا
میری شبوں میں کئی بار جلوہ بار ہوا

اور اس نعت کا آخری شعر تو ادب لطیف کی جان ہے:

شبیہ دوست تھی اشکوں کے درمیاں اقدسؔ
کہ جیسے پھول تھا شبنم سے ہمکنار ہوا

آخر میں یہ دو شعر قارئین کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ ان کی شاعری کا ذوقِ رفیع، عاشق کا سوز دروں اور محبِ صادق کی تمنائیں اور آرزوئیں اپنے اوج پر ہیں۔

طیبہ کی پر کیف بہار و ! شاد رہو آباد ہو!
اپنا چمن ہے سُونا سونا، باد صبا کے طالب ہیں
آس پہ اور امید کرم پہ دامن کو پھیلائے ہوئے
تیری گلی میں سرورِ عالم لوگ عطا کے طالب ہیں

خاک راہ بستگان فتراک حبیب خدا
محمد کرم شاہ

طلع البدر، سید ظہور علی شاہ
اظہار سنز لاہور ۱۹۸۷ء، ص: ۷۔۱۱

پیش لفظ

از: مفسر قرآن، شیخ الحدیث حضرت پیر محمد کرم شاہ صاحب ایم۔اے الازھر
مدیر اعلیٰ ضیائے حرم...... سجادہ نشین بھیرہ

اللہ تعالیٰ کے ذکر اور عبادت کے بعد سب سے افضل اور ارفع کام مدحت ممدوح رب العالمین ﷺ ہے۔اس عمل خیر کے تخلیقی، تعمیری اور تطہیری اثرات، زندگی کے دامن کو مقصدیت و معنویت سے معمور کر دیتے ہیں۔انسان کو راہ راست پر ثابت قدمی اور استقامت کی نعمت ارزانی فرمائی جاتی ہے، اس کے حوصلوں کو نیا ولولہ اور اس کے عزائم کو تسخیر کے نئے افق عطا ہوتے ہیں۔خلوص، ایثار، منزل سے والہانہ محبت، انسان میں ایک ایسا انقلاب برپا کر دیتی ہے جو اس کو سراپا رحمت و رافت بنا دیتا ہے۔لیکن یہ سعادت ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتی۔نگاہ کرم، جن دلوں کو اس انعام کے لیے چن لیتی ہے وہی اس سعادت سے بہرہ اندوز ہوتے ہیں۔

حضور نبی کریم ﷺ کا سب سے بڑا مداح خود پروردگار عالم ہے۔حق تو یہ ہے کہ مدح و توصیف کا حق اس کے بغیر کوئی ادا ہی نہیں کر سکتا۔جس رب قدوس نے اپنے محبوب ﷺ کو یہ رفعتیں، یہ شانیں، یہ کمالات، یہ اخلاق حسنہ اور علم کی

بیکرانیاں مرحمت فرمائی ہیں، وہی ان کے کیف وکم کو جانتا ہے اور اسی کا کلام بلاغت نظام ان اوصاف وکمالات کو صحیح طور پر بیان کرسکتا ہے۔

جب وہ فرماتا ہے "عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم بالمومنین رؤف رحیم"۔

یعنی "جو چیز تمہیں تکلیف دیتی ہے وہ اس پر بہت گراں ہے۔ وہ تمہاری ہدایت کے لیے حریص ہے اور اہل ایمان پر بڑا مہربان اور رحیم ہے"۔

تو صرف اسی وقت اس راز سے پردہ اٹھتا ہے کہ نبی مکرم کے قلب مبارک میں اپنے غلاموں کے لیے ہمدردی کا جذبہ کس قدر فراواں ہے۔ اس کے خیر اندیشی کے جذبات کی بیتابیوں کا کیا حال ہے؟ اور اپنے ماننے والوں کے لیے رافت و رحمت کے کتنے سمندر ان کے سینہ میں ٹھاٹھیں مار رہے ہیں۔ اس نیر اعظم ﷺ کی تابانیوں اور ضیاپاشیوں کا صحیح اندازہ اسی وقت لگایا جاسکتا ہے جب ہم اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان سنتے ہیں "داعیاً الی اللہ باذنہ و سراجاً منیرا۔" (وہ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے والا ہے، وہ آفتاب ہے جس کی کرنیں جس پر پڑتی ہیں، اسے روشن اور تابناک بنادیتی ہیں۔)

اس کے ملک واختیار کی لامحدود وسعتوں کی حقیقت فقط اس وقت عیاں ہوتی ہی جب انا اعطیناک الکوثر کی نوید جانفزا فردوس گوش بنتی ہے یعنی اے حبیبؐ! ہم نے آپ کو جو نعمت عطا فرمائی ہے، بے حدوحساب عطا فرمائی ہے۔

اس سراپا یمن و سعادت ہستی کے فیوض و برکات کی ہمہ گیر اور عالمگیر حیثیت کا علم فقط اس وقت ہوا جب رب العالمین نے اپنے محبوب بندے کو اس خطاب سے سرفراز فرمایا "وما ارسلنک الا رحمۃ للعالمین"۔

الغرض خالق ارض وسما کے محبوب وحبیب محمد رسول اللہ ﷺ کی توصیف و نعت کا حق بجز زبان قدرت کے ادا نہیں ہو سکتا۔ غالب نے از راہ تکلف نہیں بلکہ حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے کہا تھا۔

غالب ثنائے خواجہ بیزدان گزاشتیم
کان ذات پاک مرتبہ دان محمدؐ است

معلوم ہوا کہ مدحت وتوصیف سرور کونین علیہ الصلوٰۃ والسلام سنت الٰہی ہے اور بڑا خوش نصیب ہے وہ شخص جس کو اس سنت کے اتباع کا شرف نصیب ہوا۔ ہر کس وناکس کو یہ شرف نہیں بخشا جاتا فقط ان ہستیوں کو اس سعادت سے بہرہ اندوز کیا جاتا ہے، جن کی روحیں بھی پاک ہوتی ہیں اور جن کے قلوب بھی ہر آلائش سے منزہ ہوتی ہیں۔ آپ اسلام کی چودہ صد سالہ تاریخ پر نظر ڈالیں۔ آپ بآسانی یہ نتیجہ اخذ کرلیں گے کہ وہ ہستیاں جو علم وعرفان، زہد وپارسائی کے آسمان پر مہر وماہ بن کر ضیاء پاشیاں کر رہی ہیں، جن کی اولوالعزمی اور بالغ نظری نے نازک مرحلوں میں سفینہ ملت کو خطرناک بھنوروں سے نکالا ہے وہ بصد ادب ونیاز، بارگاہ حسن وناز میں اپنے گلہائے عقیدت پیش کر رہی ہیں، اور انہی لمحوں کو اپنا حاصل حیات قرار دے رہی ہیں جو ان پھولوں کو سجانے اور سجا کر پیش کرنے میں انہوں نے صرف کیے۔

مدّاحین منبع الانوار، ثناگستران محبوب کردگار ﷺ کی فہرست بڑی طویل ہے۔ ان میں صدیقؓ اکبر، علیؓ مرتضٰی، حسّانؓ، کعبؓ بن زہیر، عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم کے علاوہ بوصیری، قاآنی، نظامی، جامی سعدی، خسرو، شاہ ولی اللہ، امام احمد رضا، پیر مہر علی شاہ قدس اسرارہم جیسی پاکباز اور پاک نگاہ ہستیاں جن کے نام کے ساتھ عشق ومحبت کی آبرو وابستہ ہے۔ اس بارگاہ جمال میں بادل حیراں، باچشم گریاں

حاضر ہو کر اپنے عقیدت کے نذرانے پیش کر رہی ہیں۔ اور اپنے بخت بیدار پر نازاں ہیں کہ بارگاہ ربوبیت سے انہیں یہ شرف، یہ عزت، یہ سعادت بخشی گئی۔ نعت رسول مقبول ﷺ جتنی بڑی سعادت ہے، اتنا ہی یہ کام مشکل ہے۔ جمال نبوت، دلوں کو کھینچتا ہے اور ہیبت نبوی کے باعث آنکھ میں یہ ہمت نہیں کہ جی بھر کر نظارہ کر سکے۔ ایک طرف جلوہ ہائے جمال کی فراوانی ہے جو قلب ونظر کو حلقہ بگوش بنائے ہوئے ہے، ادھر تجلیات جلال کی لمعہ افشانی ہے جو بجلی بن کر کوندر ہی ہے۔ عاشق مسکین کے لیے نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن والا معاملہ ہے۔

شعر وسخن کے میدان میں عرفی کے اشہب قلم کی جولانیاں دیکھنے والوں کو محو حیرت کر دیتی ہیں، جدھر سے وہ گذرتا ہے۔ استعارات وتشبیہات کا مینہ برسنے لگتا ہے جہاں وہ رکتا ہے، ندرت بیان اور نکتہ آفرینیوں کا مینا بازار سج جاتا ہے۔ کبر وغرور کا یہ مرقع جب مقام نعت پر پہنچتا ہے تو حیرت واستعجاب کی وادی میں کھو کر رہ جاتا ہے۔ روح پرور جلووں کی فراوانیاں اور تجلیات لطیفہ کا ہجوم اسے دم بخود کر دیتا ہے۔ جو رعنائیاں، جو دلربائیاں وہاں محو خرام ہیں، وہ اپنی قوت بیان کو ان کی ترجمانی سے قاصر پاتا ہے، بڑی درماندگی اور بے بسی کے عالم میں وہ کہتا ہے

عرفی مشتاب ایں رہ نعتست نہ صحرا است
آہستہ کہ رہ بردم تیغ است قدم را

اے عرفی! تیز مت دوڑ، یہ نعت مصطفیٰ کا راستہ ہے صحرا نہیں! آہستہ چلو یہاں تو تلوار کی دھار پر قدم رکھنا پڑتا ہے۔

ھشدار کہ نتواں بیک آہنگ سرودن
نعت شہ کونین و مدیح کے وجسم را

ہوشیار ہو جاؤ سرورِ کونین کی نعت اور جمشید و فریدوں کی تعریف کو ایک ہی آہنگ سے نہیں گایا جا سکتا۔ اس مقام پر جہاں جلوۂ جاناں بے حجاب ہوتا ہے، جہاں زبان گنگ آنکھیں خیرہ، عقل و خرد بے بس اور راہوارِ قلم دم بخود ہو جاتا ہے، جذبۂ عشق آگے بڑھتا ہے اور یہ نعرہ مستانہ لگا کر مشکل آسان کر دیتا ہے۔

حُسن می گفت کہ شامے نپذیر د صحرم
عشق می گفت تب و تاب دوامے دارم

شاید حسن کی بارگاہ ناز میں صرف عشق ہی کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ ادب و نیاز کی نزاکتوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے سوز دروں کے ساز کو چھیڑ کر نغموں کی بارش برسائے۔ دنیا میں جتنی زبانیں ہیں ان کی فصاحت و بلاغت کے قواعد ہیں ان کی جتنی پابندی کی جائے فصاحت کا معیار اتنا ہی بلند ہو جاتا ہے لیکن نعت کی اپنی مخصوص زبان ہے اور اس کی فصاحت و بلاغت کا اپنا معیار ہے اور وہ ہے ''جذبہ عشق''۔ ایک سادہ سا جملہ اگر سوزِ عشق سے لبریز ہے تو وہ اپنی اثر آفرینی میں طویل قصائد سے بازی لے جاتا ہے۔ جذبۂ عشق و محبت سے بے بہرہ دفاتر بھی دل میں گداز پیدا نہیں کر سکتے اور نعت گوئی کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔

یہی وجہ ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کے نعت گووں کی فہرست اگر چہ بڑی طویل ہے لیکن جس دل میں جتنا جذبہ عشق ہے اسی نسبت سے اس کے کلام کو شہرت اور قبول عام نصیب ہوا ہے بلکہ آپ مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجیے کہ دبستان عشق ہی وہ دبستان ہے جس کو وہاں داخلہ مل جاتا ہے، کلام کی رعنائیاں، فصاحت و بلاغت کی اثر انگیزیاں اس کی حلقہ بگوش بنا دی جاتی ہیں، رنگین استعارے اور دلنشیں تشبیہات

سر بکف اپنے آپ کو اس کی خدمت میں پیش کر دیتے ہیں۔ بیان کی ندرتیں، اسلوب کی جدتیں خود بخود نثار ہونے لگتی ہیں۔

اگر آپ نے اس کی تازہ مثال دیکھنی ہو تو آپ ''باب جبرئیل'' کا مطالعہ کریں۔ ہمارا زمانہ مادیت گزیدہ ہے۔ مادی ترقی، مادی خوشحالی، سہولتوں اور آسائشوں کی بہم رسانی، ہر کہ ومہ کا منتہائے مقصود بن کر رہ گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ میں حضرت حافظ مظہر الدین کے دل کو اپنے حبیب کی محبت کے لیے اور ان کے قلم کو اس کی مدحت کی لیے مخصوص کر لیا ہے۔

مبدء فیاض نے ان کو نغز گوئی، جدت طرازی، بیساختگی و برجستگی، شیریں بیانی، سلاست وروانی کی جوانبول صلاحیتیں بخشی ہیں، ان کا رخ ہر طرف سے موڑ کر اپنے محبوب کریم ﷺ کے نعت کی طرف پھیر دیا ہے۔

ایک وہ زمانہ بھی آیا جبکہ نعت گوئی کا بازار سرد پڑ گیا کوئی سخنور، اس میدان مین طبع آزمائی کو شایان شان ہی نہ سمجھتا تھا۔ نعت کے کسی اچھے شعر کے لیے کان ترس گئے تھے۔ ہم اس وقت سے قبلہ حافظ صاحب کا کلام پڑھ رہے ہیں۔ سن رہے ہیں اور درد و سوز کی لذتوں سے فیض یاب ہو رہے ہیں۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک سفر میں میں نے کوہستان اخبار خریدا۔ اس میں قبلہ حافظ صاحب کی ایک نعت شائع ہوئی تھی۔ بے ساختہ نگاہیں اسی پر جم کر رہ گئیں۔ پڑھتے پڑھتے جب ان اشعار پر پہنچا تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ دل پر کیا گزری۔ لطف و سرور کی فراوانی نے بے خود کر دیا۔ ذوق وشوق کے سمندر میں جو طوفان اٹھا، اس کی تلاطم خیز موجیں کہاں کہاں لے گئیں۔ اس کی کچھ خبر نہیں۔ اس نعت کے یہ اشعار آپ بھی سماعت فرمائیے:

وہی ہیں مری عشق و مستی کا عنوان
وہی ہیں مری زندگی کے سہارے
جو تیرے کرم نے دیے ہیں دلاسے
جو تیری نظر نے کیے ہیں اشارے
بڑھے گا مری سمت دست عطا بھی
وہ فیاض ہیں اور مشکل کشا بھی
دعا لیں گے میری محبت کے آنسو
جزا پائیں گے میرے دل کے شرارے

ذرا مقطع ملاحظہ فرمائیے۔ آپ کو قبلہ حافظ صاحب کے نہاں خانہ دل میں جو سودائے محبت ہے، اس کا تعارف ہو جائے گا

دل و جاں فدایت کہ شاہؐ حجازی
چہ باشد اگر بندۂ را نوازی
بدرگاہ پاکت فقیرانہ آمد
یکے مستمندے یکے بیقرارے

یہ درد و سوز، یہ ادب و نیاز چند سال پہلے کی بات ہے۔ جب عشق کی آگ بھڑک رہی تھی۔ ہجر کی کالی رات چھائی ہوئی تھی اور صبح وصال کا دور دور تک نام و نشان نہ تھا۔ یہ نیا مجموعہ "باب جبریل" لذت وصل سے سرشار ہونے کے بعد لکھا گیا ہے۔ خود ہی فرمائیے کہ وہ محبوب دلنواز جس کو دیکھنے سے پہلے قلب بسمل کی یہ حالت تھی اس کی بارگاہ حسن میں حاضر ہونے کے بعد حافظ صاحب کے سوز و ساز کا کیا [illegible]

گا۔لذت دیدار کے بعد اب پھر فراق کی شب دراز نے لے لی ہے۔عاشق مہجور کے دل کی کیفیت کا وہی شخص صحیح اندازہ لگا سکتا ہے جسے کبھی ان جانگداز اور صبر شکن مرحلوں سے گزرنے کا موقع ملا ہو۔شعر و شاعری کی دنیا میں قبلہ حافظ صاحب کا مقام کیا ہے، فصاحت و بلاغت کے میدان میں آپ کی شان کیا ہے؟اس کا اندازہ تو وہی لوگ لگا سکتے ہیں جو اس فن لطیف کی نزاکتوں اور لطافتوں سے باخبر ہیں۔ میں فقط ایک عام قاری کی حیثیت سے اپنے احساسات کو رقم کر سکتا ہوں۔

باب جبریل کی پہلی نعت پڑھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔جب یہ شعر پڑھا تو دل کے کسی گوشہ سے جا ایں جاست، کی صدا بلند ہوئی اور کئی بار اس شعر کو پڑھتا رہا۔آپ بھی سنیئے:

جو ان کے ذکر میں بیتے وہ لمحہ، عین کرم
جو ان کی یاد میں گزرے وہ زندگی، انعام

کتنی بڑی سچائی ہے اور ہم اس سے کتنے بے خبر ہیں۔قبلہ حافظ صاحب کا شعور اس صداقت کی روشنی سے تابناک ہے اور اس کے ساتھ انداز بیان کتنا باوقار ہے۔

اس سے آگے اپنے دلبر کے شہر کی صبح و شام کا منظر کس خوبی و خوبصورتی سے بیان کرتے ہیں:

نظر فروز ہے شہر نبیؐ کی صبح جمیل
ہزار جلوہ در آغوش ہے حجاز کی شام

حافظ صاحب کی نگاہیں شہر حبیبؐ کے صبح و شام کے جلووں سے سرمگیں ہونے کے بعد روتے حبیبؐ کی دلبرانہ اداؤں میں کھو جاتی ہیں۔دل مضطر کے

جذبات زبان قلم سے ٹپک پڑتے ہیں۔ عرض کرتے ہیں

اے کہ زلفوں سے تری عشق کی شامیں روشن
اے کہ چہرہ ہے ترا صبح درخشان جمال
جز ترے کون ہے مخدوم جہانِ خوباں
جز تیرے کون ہے کونین میں سلطان جمال

بے خودی کے عالم میں حافظ صاحب ایک اور حقیقت سے نقاب الٹتے ہیں۔ حافظ صاحب کے ندرت بیان کی بلائیں لینے کو دل چاہتا ہے

ہو نہ جلوہ گر چمن میں جو نبیؐ کا نور تاباں
کبھی ان گلوں سے ملنے کے لیے صبا نہ آئے

دوسرے مصرعے کی جتنی داد دی جائے حق ادا نہیں ہو سکتا۔

نظام مصطفیٰ کے نفاذ سے گلشن ہستی کو جو رونق اور سرمدی بہار نصیب ہوتی ہے، عاشق زارا س سے بھی بے خبر نہیں کہتے ہیں:

کئی عنوان رنگین زندگی کو شاہ نے بخشے
بہت بے کیف و بے لذت تھا یہ افسانہ برسوں سے

یعنی زندگی کا افسانہ ہر قسم کی دلآ ویزیوں سے محروم ہو چکا تھا، یاس وقنوط، بے بسی اور بیکسی نے زندگی کی چمن کو تباہ و برباد کر دیا تھا، حضورؐ کے قدم رنجہ فرمانے سے پھر زندگی میں زندگی کے آثار نمایاں ہوئے اور منزل پر پہنچنے کی تڑپ نے اسے مصروف عمل کر دیا۔

شاعر کو یہ بھی احساس ہے کہ جو دولت عشق اسے بخشی گئی ہے، یہ کوئی معمولی

چیز نہیں۔ یہ آسانی سے دستیاب نہیں ہوتی بلکہ انسان کی خوش نصیبی کی انتہا ہے۔ اگر اسے عشق حبیبؐ سے ایک ذرہ بھی نصیب ہو جائے۔ کہتے ہیں

بخت یاور ہو تو ملتی ہے تمنا تیری
عشق رہبر ہو تو ہاتھ آتا ہے داماں تیرا

عندلیب گلستان جمال مصطفوی کی یقین افروز، ایمان پرور نعتوں کا یہ مجموعہ ہے جس کا عنوان ''باب جبریل'' ہے۔ یہ چند اشعار منتخب نہیں کیے گئے کیونکہ اس کے ہر شعر کا اپنا مقام ہے اور اس کی اپنی انفرادی شان ہے۔ جس کا انکار ممکن نہیں۔ البتہ اسے ''مشتے نمونہ از خروارے'' کہا جا سکتا ہے۔ ان اشعار سے آپ دوسرے اشعار کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ اس مجموعہ میں چند ایسی نعتیں ہیں جن کا ہر شعر عشق و مستی میں ایک دوسرے سے فزوں تر ہے۔ خصوصاً ''آہستہ چل'' کی نعت اپنے اندر ہزاروں جلوے رکھتی ہے۔

میں قارئین اور حافظ صاحب کے کلام کے درمیان زیادہ دیر حائل نہیں رہنا چاہتا۔ ہماری دلی دعا ہے کہ یہ نابغۂ روزگار، نعت کے میدان کا یہ بانکا شہسوار تا دیر سلامت رہے تا کہ ان کی زبان نعت مصطفیٰ کے گیت گاتی رہے اور ہمارے کان سنتے رہیں اور ہمارے دلوں میں عشق و مستی کی دنیا ہمیشہ آباد رہے۔ آمین ثم آمین!

خاک راہ صاحبدلاں
محمد کرم شاہ
۱۰ جون ۱۹۷۸ء

باب جبریل، حافظ مظہر الدین
ص۔ ۵۔ ۱۰

سرِ آغاز

الحمدللہ علی جودہ ونوالہ واطیب الصلوۃ واکمل السلام علی مظہر حسنہ وکمالہ وعلی آلہ واصحابہ

جذبۂ عشق نہ ہوتو نگارخانۂ حیات نرا کباڑ خانہ بن جائے۔ حرص وآز کی چیرہ دستیاں، خلوص وایثار کے مہکتے ہوئے خیابانوں کو روند ڈالیں۔ جبر وتشدد کی آندھیاں رحمت ورافت کے سارے چراغوں کو گل کر دیں۔ باطل کا کبر وغرور، حق کی رعنائیوں کو پامال کر کے رکھ دے۔ ظلم وستم کی خوں آشامیاں، عدل وانصاف کی حیات آفریں اقدار کو زندہ درگور کر دیں اور یہ جہاں مہر وماہ کی تابانیوں کے باوجود تیرہ وتار ہو جائے۔ پھولوں کی نکہت افشانیوں کے باوجود، انسان کی زشتیٔ اعمال کی سڑاند سے دماغ پھٹنے لگیں۔ قمریوں کی کوکو اور عنادل کی نغمہ ریزیوں کے باوجود دل افسردہ اور روحیں پژمردہ ہی رہیں۔

یہ حضرت عشق ہی کا اعجاز ہے کہ مادہ پرستی، نفس پرستی اور جاہ پرستی کے طوفانوں کے باوجود آپ کو خلوص وایثار کے چمن آباد نظر آ رہے ہیں۔ جود وکرم کے دریا بہہ رہے ہیں۔ فسق وفجور کی تند آندھیوں میں نیکی اور تقویٰ کی شمعیں فروزاں

ہیں۔ آج جبکہ انسان نے انسانیت کی خلعت فاخرہ اتار کر وحشت و بربریت کا ڈراؤنا لباس پہن لیا ہے، آپ کو ایسے جیالے ناخدا بھی نظر آ رہے ہیں جو سفینہ انسانیت کو اسفل السافلین کے گرداب میں غرق ہو جانے سے بچانے کے لیے بڑی وارفتگی سے مصروف عمل ہیں۔ یہی وہ خرقہ پوش ہیں جن کو دیکھ کر انسان کے مستقبل کے بارے میں مایوسیوں کے بادل چھٹ جاتے ہیں اور امید کا مہر منیر پھر چمکنے لگتا ہے۔

یہ جذبۂ عشق درحقیقت حسن کا فیضان ہے۔ ویسے تو ہر شخص جو دیدۂ بینا سے بہرہ ور ہے، وہ حسن کی رعنائیوں سے متاثر اور مسحور ہوتا ہے، لیکن حسن کے فیضان سے فیض یاب وہی ہوتا ہے جس پر خسروِ حسن خود نگاہِ التفات فرماتا ہے۔ اس پیکر جمیل کو دیکھنے والے تو لاکھوں ہوتے ہیں۔ ان کی دلفریبیوں کو سراہنے والے بھی ان گنت ہوتے ہیں لیکن عشق و محبت کی آتش سوزاں فقط ان کو نصیب ہوتی ہے جن کو حسن اپنی نگاہِ ناز سے بے تابیوں اور بے قراریوں کے طوفانوں میں دھکیل دیتا ہے اور فقط وہی خوش بخت اس مقام پر فائز ہوتے ہیں جن کی نشاندہی ترجمانِ حقیقت، علامہ اقبالؒ نے اپنے ارشاد میں فرمائی ہے:۔

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذتِ آشنائی

پھر وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر بلند و بالا منازل کی طرف مصروف پرواز رہتا ہے۔ ایسے شخص کا اندازِ فکر الگ، طرزِ عمل جدا، اسلوبِ بیان دوسروں سے مختلف، بالکل مختلف، تصنع یا بناوٹ نام کی کوئی چیز وہاں نہیں پائی جاتی۔ مبالغہ آرائی سے اس کا کوئی تعلق نہیں رہتا۔ جذبۂ عشق سے سرشار ہونے والے کی نشانی یہ ہے کہ اس کے

قول اور عمل میں آپ کو تضاد نظر نہیں آئے گا، وہ تضاد جو انسان کی صلاحیتوں کو دیمک کی طرح چاٹ جاتی ہے۔

اس سوختہ جگر عاشق کے بخت کی ارجمندی کا کیا کہنا جسے اپنی نظر التفات سے سرفراز کرنے والا حسن، حسن محمد ﷺ ہو، جس کے حسن کی فیاضیوں کی خیرات سے جہانِ جمال و کمال کا بھرم قائم ہے۔

میں کوئی ادیب نہیں، نہ اصطلاحی معنوں میں نظم و نثر کی خوبیوں سے بلاغت و فصاحت کے معیار کو پرکھنے والوں اور صحیح داد دینے والوں میں سے ہوں۔ میرا اس صنف ادب کے ساتھ اتنا ہی رابطہ ہے کہ کبھی کبھی اگر کسی صاحب کمال ادیب کا کوئی فقرہ یا کسی نغز گو شاعر کا کوئی شعر سمجھ میں آجاتا ہے تو دل میں کیف و سرور کی ایک کیفیت رو پذیر ہو جاتی ہے جو اکثر حالات میں ناقابلِ بیان ہوتی ہے لیکن اصحابِ قلب و نظر کی صحبتوں میں حاضری کی سعادت ضرور نصیب ہوتی رہتی ہے۔ کاروانِ عشاق کی گردِ راہ کو سرمۂ دیدۂ دل بنانے کے مواقع بھی بفضلہٖ تعالیٰ میسر آتے ہیں۔ اس لیے میں برادرِ گرامی جناب عابد نظامی کے اس نعتیہ مجموعۂ کلام کی ادبی خوبیاں اور فن شعر و سخن کی ندرت آفرینیوں کو بیان کرنے سے تو قاصر ہوں البتہ مجھے ان کے کلام کی جن خصوصیات نے متاثر کیا ہے، وہ وہی خوبیاں ہیں جو ایک عاشق صادق کے کلام کا طرۂ امتیاز ہوتی ہے۔ ان کے کلام میں آورد نہیں آمد ہے جو بسا اوقات وارفتگی کی حدوں کو چھو رہی ہوتی ہے۔ ڈھونڈے سے بھی تصنع اور تکلف کا نام و نشان ان کے ہاں نہیں ملتا۔ ان کا کلام پڑھنے سے یوں محسوس ہوتا ہے کہ کوئی بلبل شیدا، شاخ گل پر بیٹھا محبوب کو دیکھ رہا ہے ہیں۔ اس میں اس کا صرف اتنا حصہ ہے کہ وہ گیت اس کی زبان

سے ادا ہوئے ہیں ورنہ حقیقت یہ ہے کہ حسن کو اپنے عاشق کے آئینۂ دل میں اپنا عکس جمیل نظر آتا ہے اور خود ہی زمزمہ سنج ہے۔

حسن کی دلنوازیوں نے جناب عابد کے قلب و نگاہ کو یوں مستغنی کر دیا ہے کہ کسی دارا و جم کی شوکت شاہانہ اس کی نگاہ میں جچتی ہی نہیں۔ اسے اپنا وہ چاک گریباں بہت عزیز ہے جو اُس کے محبوب کی نظر کرم کو اپنی طرف مائل کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ اس کے دل کے کسی گوشہ میں گنجائش ہی نہیں رہی کہ وہ لذات دنیا یا عیش و عشرت کی زندگی کی خواہش بھی کر سکے۔ محبوب کی راہِ منزل کے ببول اسے اطلس و پرنیاں سے کہیں پیارے ہیں۔

وہ اپنے لیے اس کے سوا کچھ نہیں مانگتا کہ اس کے عشق کا چراغ ہمیشہ روشن رہے، اس کے درد و سوز میں اضافہ ہوتا رہے۔ اس کی نسبت غلامی پختہ تر ہوتی جائے۔ اگر یہ نعمت اسے میسر رہے تو اس کو کسی اور چیز کی آرزو ہی نہیں۔ بایں استغنا وہ اپنی ملت کے ہر فرد کے لیے ہمہ تن دست سوال ہے۔ وہ ان کے لیے خوشیاں مانگتا ہے، ارجمندیاں مانگتا ہے، عزت و سرفرازی مانگتا ہے، وہ ان میں پھیلے ہوئے افتراق و انتشار سے بری طرح کبیدہ خاطر ہے۔ وہ بڑی دلسوزی سے بارگاہ نبوت سے اس جان لیوا بیماری کا تریاق مانگتا ہے۔ اس کا دل پھڑک اٹھتا ہے۔ جب وہ اپنے محبوب کریم ﷺ کی امت کو دشمنان اسلام کے بچھائے ہوئے دام فریب میں بھاگ بھاگ کر گرفتار ہوتے دیکھتا ہے۔ اس روح فرسا منظر کو دیکھ کر اس کی چیخ نکل جاتی ہے اور وہ بارگاہ رسالت میں امت مسلمہ کی چارہ سازی کے لیے بار بار التجائیں کرتا ہے۔

یہ اور اس کے علاوہ کئی خوبیاں جو ایک عاشق صادق کے کلام کو غازیان گفتار

کے کلام سے ممتاز کرتی ہیں، جناب عابد نظامی کے کلام کی روح و رواں ہیں جنہیں مطالعہ کرنے والا محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ میں دستور کے مطابق ہر خصوصیت کو اجاگر کرنے کے لیے ان کے اشعار نقل کرتا لیکن میں ایسا نہ کر سکا کیونکہ یہ ایسی خوبیاں نہیں جو کہیں کم اور کہیں زیادہ ہوں بلکہ ان کا باہمی رشتہ وہی ہے جو جسم اور جان کا، پھول اور اس کی مہک کا، شبنم اور اس کی پاکیزگی کا ہے۔ البتہ بطور تبرک چند اشعار ملاحظہ ہوں...... فرقت زدہ دل کو جب شرف حضوری بخشا جاتا ہے تو اس کی کیفیت کیا ہوتی ہے۔ جناب عابد کی زبانی سنئے

قلب شاداں ہے سنہری جالیوں کے سامنے
روح فرحاں ہے سنہری جالیوں کے سامنے
مل رہا ہے گنبد خضرا کے سائے میں سکوں
راحت جاں ہے سنہری جالیوں کے سامنے
آرزو ہے کیف آ گیں، ذوق ہے وجد آفریں
شوق رقصاں ہے سنہری جالیوں کے سامنے
بار بار ان کو میں چوموں، اپنی آنکھوں سے ملوں
کتنا ارماں ہے سنہری جالیوں کے سامنے

اس نعت کا یہ شعر تو درد و سوز کی معراج معلوم ہوتا ہے۔

جگمگاتے ہیں سر مژگاں مسرت کے دیئے
کیا چراغاں ہے سنہری جالیوں کے سامنے

وصال حبیبؐ کی ان امرت گھڑیوں میں جبکہ انسان کو اپنا ہوش بھی نہیں رہتا، عابد اپنے آقا کے حضور عالم اسلام کی مشکلات کو فراموش نہیں کرتے عرض کرتے ہیں۔

عالم اسلام جن امراض میں ہے مبتلا
ان کا درماں ہے سنہری جالیوں کے سامنے

لوگ اپنا پیغام درد و شوق بارگاہ حبیب میں پہنچانے کے لیے باد نسیم کا سہارا لیتے ہیں لیکن عابد کو جو تعلق خاطر اپنے حبیبؐ سے ہے وہ باد نسیم کے احسان کا متحمل نہیں۔ عرض کرتے ہیں۔

میرے نبیؐ کو ہے مرے احوال کی خبر
احسان مند میں نہیں باد نسیم کا

اس نعت کا مقطع بھی ملاحظہ فرمائیں:۔

عابد! رسول ہاشمی کے فقر کے طفیل
رتبہ قبائے شہ سے ہے برتر گلیم کا

جناب عابد کے یہ دو شعر بھی قارئین کے لیے خصوصی توجہ کے مستحق ہیں:۔

قائم ہے آگہی کا بھرم آپ کے طفیل!
گوہر فشاں ہے میرا قلم آپ کے طفیل!
سینے کے داغ غیرتِ گل ہیں فراق میں!
صحرا میں ہے بہارِ ارم آپ کے طفیل!

آخر میں انہوں نے ندرت میرٹھیؒ کی ایک نعت پر تضمین فرماتے ہوئے جو آخری بند لکھا ہے، وہ کیف و سرور اور مستی شوق سے لبریز ہے اور لطف یہ ہے کہ یہ

زوردار بند آج سے بائیس سال قبل رقم کیا گیا۔ ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات، کا کتنا صحیح مصداق ہے۔

رسول رحمت و رفاقت کے نام پر ہر دم
چراغ بزم ہدایت کے نام پر ہر دم
شفیع روز قیامت کے نام پر ہر دم

اس آفتاب رسالت کے نام پر ہر دم
یہ دل نثار، تصدق یہ جان، صل علیٰ

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس جذبۂ عشق کو بقائے دوام بخشے اور اس کی ظاہری اور باطنی برکتوں اور سعادتوں سے یہ خود بھی اور ان کے آنے والی نسلیں بھی اور ان کے پاس بیٹھنے والے مجھ جیسے کم ہمت بھی مستفید ہوتے رہیں۔ آمین!

خاک راہِ عشاقِ نبی کریمؐ

محمد کرم شاہ

(جسٹس پیر محمد کرم شاہ ایم اے الازہر)

۲۴ ربیع الثانی ۱۴۰۳ھ مطابق ۸ فروری ۱۹۸۳ء

دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ (سرگودھا)

فیضان کرم، ڈاکٹر خواجہ عابد نظامی

الفیصل لاہور، ۲۰۰۳، ص: ۵۔۱۰

تقریظ

مفکر اسلام، مفسر قرآن، ضیاء الامت، دانائے طریقت، عارف شریعت حضرت علامہ پیر محمد کرم شاہ صاحب الازہری، پرنسپل جامع محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف، جسٹس وفاقی شرعی عدالت پاکستان، چیئرمین مرکزی رویت ہلال کمیٹی پاکستان۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ○ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الۡمُرۡسَلِیۡنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَمَنۡ تَبِعَہٗ اِلٰی یَوۡمِ الدِّیۡنِ.

اَمَّابَعۡدُ! محبوب رب العالمین ﷺ کی محبت ایمان کی جان ہے اور محبت کا یہ تقاضا ہے کہ محبّ کو محبوب کا ذکر عزیز از جان ہوتا ہے اور ہر وقت اپنے محبوب کو یاد کرنا اور اس کے کمالات وفضائل کا بیان کرنا اس کی محبت کی علامت ہے۔

مولانا ابوالطاہر محمد بشیر احمد صاحب کی تالیف لطیف ''البرہان فی خصائص حبیب الرحمٰن'' کے چند مقامات کے مطالعہ کا شرف حاصل ہوا۔ پڑھ کر دل کو فرحت، آنکھوں کو روشنی اور روح کو تازگی نصیب ہوئی۔ جس محبت میں ڈوب کر مؤلف موصوف نے یہ کتاب تالیف فرمائی ہے، یہ ان کے لیے باعث سعادت دارین ہے۔

امید ہے کہ حسن عقیدہ سے جو بھی اس کا مطالعہ کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کے سینہ کو نور عشق مصطفیٰ ﷺ سے منور فرمائے گا۔

میری دعا ہے اللہ تعالیٰ مؤلف علّام کی مخلصانہ اور مجاہدانہ کوشش کو قبول فرمائے اور ان کے درجات کی بلندی کا باعث فرمائے۔ آمین۔

والسلام

محمد کرم شاہ، سجادہ نشین بھیرہ شریف

۲۳ صفر المظفر ۱۴۰۷ھ

البرہان فی خصائص حبیب الرحمٰن، ابوالطاہر محمد بشیر احمد

نوریہ رضویہ پبلی کیشنز: لاہور، ۲۰۰۳ء، ص: ۱۳

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ تعالیٰ نے ہادی برحق، مرشد جن وانس ﷺ پر جو کتاب مقدس نازل فرمائی اس کا تعارف اپنی زبان قدرت سے یوں کرایا

ونـنـزل من القران ما هو شفاء و رحمة للمومنين ؕ

یعنی اس کتاب میں جسمانی، روحانی، قلبی اور ذہنی بیماریوں کے لئے شفا ہے۔ اور اہل ایمان کے لئے سراپا رحمت ہے۔ اگر ہم اس نسخہ کیمیا کا اس نقطہ نظر سے مطالعہ کریں تو ہمیں ہر بیماری کا معجز اثر نسخہ دریافت ہوسکتا ہے۔

صحت وتندرستی کے مسئلہ کو عبدالملک بن حبیب الاندلسی سے لے کر آج تک ماہر اطباء نے ہر حیثیت میں مرتب کیا ہے۔ اور ان میں سے ہر کتاب کو اس کی افادیت کے پیش نظر ہر زمانہ کے علماء وفضلاء نے بڑی پذیرائی بخشی۔

عہد حاضر میں ڈاکٹر خالد غزنوی نے صحت کی بقاء اور بیماریوں کے علاج کے لیے قرآن کریم اور احادیث طیبہ کے چشمہ شیریں سے استفادہ کرتے ہوئے جدید سائنسی معیار کے مطابق امراض کو ایک نیا نہج عطا کیا ہے۔ اس نیک کام کی ابتداء ماہنامہ ضیائے حرم کے صفحات سے ہوئی اور اب ان کی یہ کاوشیں اتنی ترقی پذیر ہو چکی ہیں کہ انہوں نے علاج نبوی کا جدید طریقہ علاج سے موازنہ کرتے ہوئے علم طب کو ایک باضابطہ کتاب کی صورت میں پیش کر دیا ہے۔

اس مستحسن اقدام کا آغاز انہوں نے پیٹ کی بیماریوں سے کیا ہے۔ اور اس سلسلہ میں انہوں نے نبی کریم رحمۃ للعالمین ﷺ کے اس ارشاد سے رہنمائی حاصل کی ہے۔

المعدة حوض البدن و العروق اليها واردة فاذا صحت المعدة صدرت العروق بالصحة. و اذا فسدت المعدة صدرت العروق بالسقم. (بيهقى)

سرکار دو عالم ﷺ نے اپنے اس ارشاد گرامی سے ہماری راہنمائی کی ہے کہ اکثر و پیشتر بیماریاں پیٹ کی خرابی سے جنم لیتی ہیں اگر معدہ صحیح ہوگا تو تندرستی کو کوئی خطرہ نہ ہوگا۔ اور اگر معدہ میں بگاڑ پیدا ہو جائے تو اس کا معقول اور آسان علاج بھی ارشادات نبوی میں موجود ہے۔ بیماریوں کے اسباب میں غذا۔ شخصی قوت مدافعت کے علاوہ غذا کی حفاظت۔ پینے کا پانی۔ چھوت اور متعدد دوسرے فنی مسائل بھی زیر بحث آئے ہیں جن کو اس مفید مجموعہ میں جدید نظریات کے مطابق بیان کرنے کے بعد یہ بتایا گیا ہے کہ ان ہدایات کا ماخذ بھی اسلام ہی ہے۔

میری دعا ہے اللہ تعالیٰ محترم ڈاکٹر غزنوی صاحب کی اس کاوش کو شرف قبولیت بخشے اور لوگوں کو اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچائے۔ آمین ثم آمین۔

(جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری)

سجادہ نشین آستانہ عالیہ امیریہ بھیرہ شریف

جج سپریم کورٹ آف پاکستان

۲۴ رنومبر ۹۱ء

علاج نبوی اور جدید سائنس، ڈاکٹر خالد غزنوی

الفیصل ناشران و تاجران کتب، لاہور، ۲۰۰۵ء، ص: ۵۔۶

طب نبوی کی اہمیت اور ضرورت

(جسٹس پیر محمد کرم شاہ)

حضور نبی کریم رحمت عالم ﷺ کی حیات مطہرہ کے دوران ہی لوگ حضور کی ہدایات اور ارشادات کو قلم بند کر کے محفوظ کرنے کی کوشش کر لیا کرتے تھے۔ ان کے بعد ارشادات گرامی کی تدوین ضروری ہوگئی تا کہ رشد و ہدایت کا یہ سلسلہ اگلی نسلوں کے لیے موجود رہے۔ جب یہ ارشادات کتابی صورتوں میں مرتب ہوئے تو دیکھا گیا کہ ان میں تندرستی کا قائم رکھنے۔ بیماریوں کے خلاف قوت مدافعت پیدا کرنے۔ بیماریوں سے بچاؤ اور ان کے علاج کے بارے میں مکمل بیان موجود ہے۔ اس لیے عبدالملک بن حبیب الاندلسی نے اپنی کوشش سے طب نبوی کا ایک مجموعہ دوسری صدی ہجری میں مرتب کیا۔ جوں جوں احادیث ملتی گئیں عبدالملک کا مجموعہ نامکمل نظر آنے لگا۔ امام شافعیؒ کے شاگرد محمد بن ابوبکر ابن السنیؒ اور صاحب الحلیہ ابونعیم اصفہانیؒ نے اپنی اپنی محنت سے ''طب نبوی'' کے دو منفرد مجموعے ترتیب دیئے جن میں فاضل مولفین نے احادیث کے ساتھ ان کی تشریح بھی شامل کی۔ دکھی انسانیت کی خدمت کے لیے ان کے یہ انمول تحفے بڑے مقبول

ہوئے اوران کے بعد دوسروں نے بھی اسی موضوع پر کوششیں کیں۔آٹھویں صدی ہجری میں محمد بن ابوبکر ابن القیم اور محمد بن عبداللہ ذہبیؒ نے ''الطب النبوی'' کے نام سے نبی کریم ﷺ کے طبی تحائف کو پیش کیا۔اس وقت تک احادیث نبوی کی تدوین مکمل ہو چکی تھی اوران صاحبوں کو پیش کرنے کے لیے ضخیم مواد میسر تھا۔علم العلاج میں بوعلی سینا نے شاندار تجربات کے ذریعہ طب نبوی میں مذکور بہت سی ادویہ کی افادیت کی تصدیق کی اوراس طرح ابن القیمؒ اس قابل ہوئے کہ وہ طب نبوی کے فوائد کے بارے میں مزید معلومات بھی پیش کرسکیں۔ان کی محنت اور خلوص اتنے مقبول ہوئے کہ یہ کتابیں سات سو سالوں سے اتنی مقبول رہی ہیں کہ ان کے نئے ایڈیشن اس سال بھی جاری ہوئے ہیں۔

اس امر میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو طب اور دوسرے علوم پر فضل الٰہی کی بدولت مکمل دسترس حاصل تھی۔جس کی تصدیق قرآن مجید فرماتا ہے۔

وَاَنزَلَ اللّٰہُ عَلَیکَ الکِتٰبَ وَالحِکمَۃَ وَعَلَّمَکَ
مَالَم تَکُن تَعلَم وَکَانَ فَضلُ اللّٰہِ عَلَیکَ عَظِیمًا

(ہم نے آپ پر اپنی کتاب اتاری۔اور آپ کو حکمت اور ہر وہ علم سکھا دیا جو آپ کو نہیں آتا تھا۔اور یہ آپ پر اللہ کا بہت بڑا فضل اور مہربانی ہے)

قرآن مجید رحمت اور شفاء کا ذریعہ ہے۔مگر ان لوگوں کے لیے جو اس پر یقین رکھتے ہیں۔ان افادات کی وضاحت اوران سے فائدہ اٹھانے کا سلیقہ حضور اکرم ﷺ

نے اپنے قول اور فعل سے سکھایا۔ جیسے حضور ہمیشہ شہد پیتے تھے اور دنیاوی زندگی میں کبھی بیمار نہ ہوئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مریضوں کی خوراک سے لے کر بیماریوں کے پھیلاؤ کے طریقوں تک ہمیں راستہ دکھایا اور آنحضرت کا ہر ارشاد ہر طرح سے مفید ہے کیونکہ آپ کے تمام نسخے وحی الٰہی پر مبنی ہیں۔

ذہبی اور ابن القیم کے زمانہ اور آج کے دور میں اور آج کے حالات میں بڑا فرق ہے۔ آج جب بیماریوں کے پھیلاؤ اور جراثیم سے واقفیت کے بعد ہمیں معلوم ہوا کہ مریض سے بات کرتے وقت دو تیر کا فاصلہ رکھنے میں کیا مصلحت ہے؟۔ یہ بات جذام کے لیے ہی نہیں بلکہ چیچک۔ خسرہ۔ تپ دق۔ انفلوئیزا اور کن پیڑوں سے بچاؤ کے لیے بھی یکساں مفید ہے۔ علم کیمیا میں ترقی کے بعد کلونجی۔ قسط۔ زیرہ وغیرہم کی کیمیاوی ماہیت کا پتہ چل گیا ہے اور اب ضرورت تھی۔ کہ ادویہ نبویہ کی نوعیت اور افادات کا پھر سے جائزہ لیا جائے۔ جیسے کہ کلونجی اس منبع فیض سے ہر مشکل کا حل قرار دیا گیا ہے۔ مگر کب، کیسے اور کہاں؟ یہ وہ جواب تھا جس کی توفیق اللہ تعالیٰ نے میرے عزیز ڈاکٹر خالد غزنوی کو مرحمت فرمائی۔

ڈاکٹر خالد غزنوی نے جب طب نبوی کو جدید شکل دینی شروع کی تو مجھے اس کار خیر کی اہمیت کا احساس ہو گیا اور میں نے ان کی نگارشات کو پوری توجہ کے ساتھ ''ضیائے حرم'' میں سلسلہ وار شائع کیا اور قارئین نے اسے نہ صرف پسند کیا بلکہ سینکڑوں دوست ان سے مستفید ہوئے۔ انہوں نے جدید علوم طب سے اپنی واقفیت کو اس عظیم مقصد میں استعمال کر کے خلق خدا کی بہتری اور دین حنیف کی شاندار خدمت کی ہے۔ میں ان کو اس نئے مجموعہ پر مبارک دیتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ

تعالیٰ انہیں نبی کریم ﷺ کے طبی تحائف کو شایان شان طریقہ پر مدون کرنے اور ان کی افادیت کو عام کرنے کی توفیق مزید عطا فرمائے آمین۔

(جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری)

سجادہ نشین آستانہ عالیہ امیریہ بھیرہ۔ سرگودھا

جج سپریم کورٹ آف پاکستان

۴ ررجب المرجب ۱۴۰۹ھ

۱۰ فروری ۱۹۸۹ء

طب نبوی اور جدید سائنس جلد ۲، ڈاکٹر خالد غزنوی

الفیصل ناشران وتاجران کتب، لاہور، ۲۰۰۵ء

مقدمہ
از
ضیاءالامت حضرت جسٹس پیر محمد کرم شاہ صاحب ایم۔اے (الازہر)
سجادہ نشین بھیرہ شریف ضلع سرگودھا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ایمان ایک دولت لازوال ہے۔
یہ صحن چمن میں مہکتا گلاب ہے۔
آغوشِ صدف میں گوہرِ آبدار ہے۔
خزاں رسیدہ درختوں کے لیے مژدۂ فصلِ بہار ہے۔
شبِ دیجور میں دمکتے ماہتاب کی نشیلی چاندنی ہے۔
خشک سالی سے اُجڑے ہوئے جہاں کے لیے بارانِ رحمت ہے۔
یہ دولتِ سرمدی حاصل کیسے ہوتی ہے؟
توحید کا اقرار کر لینے سے
قلب کی گہرائیوں سے اس کی تصدیق کرنے سے
عظمت رسالت کا نقشہ لوحِ دل پر ثبت کر لینے سے
عقیدۂ قیامت اپنا لینے سے۔

یہ سارے عقائد دل میں جاگزیں ہوں گے تو انسان مسلمان ہوگا لیکن تکمیل ایمان کی شرط، محبت رسول ﷺ سے متعلق ہے۔ یہ جذبہ دل میں موجزن نہ ہوتو ایمان ایسا پھول ہے جس میں خوشبو نہیں، یہ ایسا چاند ہے جو چاندنی سے محروم ہے کیونکہ شبِ اسریٰ کے دولہا کا ارشاد ہے:

والذی نفس محمد بیدہ لایکون احدکم مومناً حتیٰ
اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین

ترجمہ: ''قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ ٔ قدرت میں میری جان ہے تم میں سے کوئی بھی اس وقت تک کامل مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میری محبت اس کے دل میں اپنے والدین، اولاد حتیٰ کہ ساری انسانیت سے زیادہ نہ ہو''۔

آپ کے اس ارشاد کی روشنی میں یہ بات واضح ہوگئی کہ ہر مسلمان کے لیے آپ کی محبت جانِ ایمان ہے، لیکن توجہ طلب پہلو یہ ہے کہ عشقِ بلاخیز کا قافلہ ٔ سخت جان تو صرف اس منزل کی جانب رخت سفر باندھتا ہے جہاں حُسن اپنی ہوش رُبا تجلیات کے جُھرمٹ میں جلوہ آراء ہو اور اُس کے دِل رُبا جلوے اسے دعوت نظارہ دے رہے ہوں اور یہ بھی ایک بدیہی امر ہے کہ محبت کے مزاج میں دوسروں کی تقلید نہیں بلکہ عشق کا ہر جذبہ حُسن کے نئے روپ کا متقاضی ہوتا ہے۔ کسی کو قامت رعنا پسند ہے کوئی نرگسیں آنکھوں کا شیدائی ہوتا ہے۔ کچھ مزاج ایسے ہوتے ہیں جو حُسن سیرت میں زیادہ دلچسپی رکھتے ہیں، انہیں جمال معنوی میں اپنے جذبوں کی تسکین کا سامان ملتا ہے۔ جب ہر انسان کے ایمان کی تکمیل محبت رسول شرط ہے تو یقیناً ہر انسان کے جذبہ ٔ محبت کی تسکین کے لیے حُسن کا ہر معیار آپ کی ذات میں بدرجہ ٔ اتم موجود ہے۔

حضور ﷺ کی آنکھوں کے حُسن کو بیان کرتے ہوئے ارشادِ الٰہی ہے:
"مازاغ البصرو ماطغیٰ" رُخِ روشن کو "والضحیٰ" سے تعبیر کیا۔ عنبریں زلفوں کو "واللیل اذا سجیٰ" کہا۔ آپ کے حُسنِ ظاہری کے جلوے اَن گنت و بیشمار ہیں۔ اِن کو گننا یا بیان کرنا حیطۂ امکان سے ماوراء ہے بقول حضرت حسان بن ثابتؓ

واحسن منک لم ترقط عینی — واجمل منک لم تلد النساء
خلقت مبرأ من کل عیب — کانک قد خلقت کما تشاء

جمالِ سیرت کے بھی بے شمار پہلو ہیں۔ آپ رحمۃ للعالمین ہیں۔ آپ کے اخلاقِ کریمانہ کو اللہ کریم نے "انک لعلیٰ خلق عظیم" سے تعبیر کیا ہے۔ آپ کی نبوت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: "کافۃ للناس بشیرا و نذیرا" علم کی رفعتوں کا ذکر فرمایا تو "علمک مالم تکن تعلم" کہا۔ حسن کا کونسا جلوہ ہے جس کی رعنائیاں اور زیبائیاں آپ کی ذات میں موجود نہیں۔ کتنے حسین الفاظ ہیں جو کسی صاحبِ دل نے اظہارِ عقیدت پیش کرتے ہوئے کہے ہیں۔

زفرق تابقدم ہر کجا کہ می نگرم — کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا اینجاست

کمالات کی ایسی جامعیت کے پیشِ نظر اللہ جل مجدہ نے حضور ﷺ کی ذات کو سارے انبیاء و رُسل پر فضیلت عطا فرمائی ہے:

زیرِ مطالعہ کتاب "افضل الرسل"، اسی موضوع پر سراج الملک والدین حضرت علامہ سید محمد حسین شاہ صاحب علی پوری کی تصنیف لطیف ہے۔ ابتداء خطبہ کے بعد فاضل مصنف نے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی افضلیت کو بیان کرنے سے پہلے مختلف حوالہ جات سے یہ ثابت کیا ہے کہ مقامِ بشریت، مقامِ ملائکہ سے افضل و اعلیٰ ہے۔ عام انبیاء ساری انسانیت بلکہ ملائکہ سے افضل ہیں اور آپ ﷺ کی ذات

جملہ انبیاء سے اعلیٰ ہے۔ بطور استشھاد مصنف موصوف نے قرآن و حدیث اور دوسری ثقہ روایات سے حضور ﷺ کی افضلیت ثابت کرنے کے لیے ۱۱۵ عنوانات بنائے ہیں۔ کتاب کے آخر میں گزشتہ انبیاء کرام میں سے چند جلیل القدر انبیاء و رُسل کا تذکرہ کرتے ہوئے اُن کے اوصاف و کمالات کے ساتھ آقا علیہ السلام کے محاسن کا تقابلی جائزہ پیش کیا ہے۔ اس سلسلہ میں جو بات لائق تحسین ہے وہ یہ کہ اس تقابلی جائزہ میں مقام نبوت کا ہر صورت میں خیال رکھا گیا ہے۔

یہ کتاب سب سے پہلے ماہنامہ "انوار الصوفیہ" لاہور کے مختلف شماروں میں ۱۹۱۲ء تا ۱۹۱۳ء شائع ہوتی رہی۔ بعد ازاں اسے کتابی صورت میں شائع کیا گیا۔ اس کا دوسرا ایڈیشن مولانا غلام رسول گوہر مرحوم نے ۱۹۶۳ء میں قصور سے شائع کیا اور تیسرا ایڈیشن ۱۹۷۸ء میں مجدد اکیڈمی برج کلاں ضلع قصور نے شائع کیا۔ گزشتہ ایڈیشن میں چند خامیاں تھیں جو قارئین کو بری طرح کھٹکتی تھیں مثلاً قرآنی آیات کے حوالہ جات ذکر نہیں کئے گئے تھے اور نہ ہی ان کا ترجمہ پیش کیا گیا۔ کتاب میں درج عربی اشعار کا ترجمہ بھی نہیں تھا۔ نیز کتاب کے آخر سے چند اوراق کم تھے جو گذشتہ ایڈیشنوں میں شامل اشاعت نہیں ہو سکتے تھے۔ کتاب کے انداز بیان پر مناظرانہ رنگ غالب تھا اور بعض مقامات پر معقولات کی اصطلاحات نے عبارات کو اتنا پیچیدہ اور مشکل بنا دیا تھا کہ عام قارئین کے لیے انہیں سمجھنا ممکن نہ تھا۔

محترم محمد صادق قصوری صاحب بانی و ناظم اعلیٰ مرکزی مجلس امیر ملت برج کلاں ضلع قصور لائق صد تحسین ہیں جنہوں نے اپنی شبانہ روز کوششوں سے اس کتاب کو از سر نو ترتیب دیا۔ مندرجہ بالا کمزوریوں کے ازالہ کے لیے آیات قرآنی کا ترجمہ بھی درج کیا اور ساتھ ہی عبارات میں روانی اور تسلسل پیدا کرنے کے لیے کامیاب

کوشش کی ہے۔ کتاب کو مفید تر بنانے کے لیے ابتداء میں حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ کے حالات زندگی اور آپ کی خدمات کو نہایت جامع انداز میں پیش کیا ہے۔

محترم قصوری صاحب کی ذات عوام اہل سنت کے لیے غنیمت ہے جنہوں نے نہ صرف اس کتاب کو مفید تر بنا کر ہمارے لیے مثبت لٹریچر میں اضافہ کیا بلکہ علم و ادب اور تاریخ کی ایسی شاہراہوں پر بھی اپنا راہوار قلم دوڑایا ہے جو پہلے ویران اور سنسان تھیں میں اُن کے ان جواں جذبوں کو سلام کہتا ہوں جو اہلسنت کے علمی احیاء کے لیے سرگرم ہیں۔

برصغیر پاک و ہند میں خانوادۂ امیر ملت رحمۃ اللہ علیہ کی سیاسی، مذہبی خدمات پہلے بھی کم نہ تھیں۔ اس کتاب کا اضافہ اس سلسلہ میں قند مکرر ثابت ہو گیا۔ خداوند قدوس کی بارگاہ میں دُعا ہے کہ اس کار خیر کے سبب حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ کے درجات کو بلند فرمائے اور عامۃ المسلمین کو اس سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کی توفیق مرحمت فرمائے آمین ثم آمین بجاہ طٰہٰ یٰسین ﷺ۔

محمد کرم شاہ

سجادہ نشین آستانہ امیریہ بھیرہ شریف

جج سپریم کورٹ آف پاکستان

۲۳ رشعبان المعظم ۱۴۱۱ھ

۱۱ر مارچ ۱۹۹۱ء

افضل الرسل ﷺ، تدوین جدید محمد صادق قصوری

زاویہ، ۹۔سی دربار مارکیٹ، لاہور، ۲۰۰۰ء

قادیانی عقائد کی بھیانک تصویر

قادیانیت، منکرین ختم نبوت کا ایسا گروہ ہے جسے انگریز نے عالم اسلام کی بیخ کنی کے لیے خود کاشت کیا اور پھر اس کے تمام مفادات کا تحفظ کیا۔ یہ لوگ اعلیٰ عہدوں پر فائز ہونے کے باعث دن رات پوری امت مسلمہ، اسلام اور وطن عزیز کے خلاف تباہ کن ریشہ دوانیوں میں مصروف ہیں۔ یہ مار آستین ہیں۔ یہ لوگ بیرونی ممالک میں اسلام کا لبادہ اوڑھ کر اسلام دشمن طاقتوں کی جاسوسی، اسلام کی تخریب اور پاکستان کی جڑیں کاٹنے کا کام کرتے ہیں۔ عالم اسلام کی اول دشمن اسرائیل کے دارالحکومت تل ابیب میں ان کا مشن پوری سرگرمی سے کام کر رہا ہے۔ اسرائیل کی فوج میں باقاعدہ قادیانی موجود ہیں۔ ان حالات میں اس فتنہ کے تدارک کی ذمہ داری امت محمدیہ ﷺ کے ہر فرد پر عائد ہوتی ہے۔ قادیانیت کے خلاف خواص وعوام میں ایک نیا شعور پیدا ہو رہا ہے جس سے قادیانیت کی زہرناکیوں اور ریشہ دوانیوں کے خلاف نفرت کا احساس عام ہو رہا ہے۔

ان حالات میں عزیزی محمد متین خالد کا وجود ایک نعمت مترقبہ سے کم نہیں۔ وہ دینی حلقوں بالخصوص تحفظ ختم نبوت کے محاذ پر کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔

انہیں مسئلہ ختم نبوت سے جو لگاؤ اور انس ہے، وہ کسی سے ڈھکا چھپا نہیں۔ آج کے نوجوانوں میں قادیانیت کا اتنا ماہر اور اس کے متعلق نئی معلومات سے باخبر شاید اور کوئی نہیں۔ تحفظ ختم نبوت پر ان کی متعدد کتابیں شائع ہو کر دام شہرت پا چکی ہیں جو ان کے عشق رسول ﷺ پر شاہد ہیں، اب ان کی تازہ تصنیف ''ثبوت حاضر ہیں'' منظر عام پر آ رہی ہے۔ میں نے اس کتاب کے مسودہ کو اپنی مصروفیات اور ناسازی طبع کے باوجود بڑے غور سے پڑھا۔ مزید براں انہوں نے زبانی طور پر بھی مجھے اس کتاب کے بارے میں بتایا۔

قادیانیت ایسے سنگین فتنہ کو سمجھانے کا یہ انداز، یہ تخیل، یہ فکر، اور یہ اسلوب بالکل نیا ہے جس کی مثال شاید پہلے سے موجود نہیں ہے۔ انہوں نے جس چھان پھٹک اور تحقیق سے قادیانیت کے سربستہ رازوں سے پردہ اٹھایا اور پوشیدہ گوشے بے نقاب کئے ہیں، اسے تمام دینی حلقوں میں یقینی طور پر سراہا جائے گا اور ہمیشہ یاد رکھا جائے گا اور انہیں اپنی محنت کی داد ملتی رہے گی۔

قادیانی کتب کے مستند حوالوں کی موجودگی میں اب قادیانیت کے کفر میں کسی شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی، قادیانیوں کو آنکھیں بند کر کے نہیں بلکہ آنکھیں کھول کر اپنے عقائد کی بھیانک تصویر کو بنظر غائر دیکھنا چاہیے اور اس سے عبرت حاصل کرنی چاہیے۔ یہ کتاب اپنی تحقیق کے لحاظ سے ایک ایسا چشمہ ہے جس سے قادیانی سیراب ہو کر مشرف باسلام ہو سکتے ہیں اور یوں یہ کتاب مسلمانوں اور قادیانیوں دونوں کے لیے مفید ثابت ہو گی۔

عزیزی متین خالد کا کمال یہ ہے کہ اس نے بڑے سلیقہ اور مہارت سے

قادیانیت کے ''جن'' کو یوں قابو کیا کہ اسے گھڑے کی مچھلی بنا دیا۔ اس سے نہ صرف اس کا اپنا قد بلند ہوا ہے بلکہ ملت اسلامیہ کو بھی بلند قامتی عطا ہوئی ہے۔ مجھے اس خوش قسمت نوجوان پر فخر ہے۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ خالد کی اس محنت شاقہ کو حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے وسیلہ جلیلہ سے اپنی بارگاہ اقدس میں قبول فرمائے اور اس کی عمر اور قلم میں برکت فرمائے تاکہ وہ پہلے سے بڑھ کر مزید اس محاذ پر کام کر سکے۔ آمین

بحرمۃ النبی الامی الکریم

دعا گو

(جسٹس) پیر محمد کرم شاہ الازہری

جج سپریم کورٹ آف پاکستان

سجادہ نشین آستانہ عالیہ امیریہ

بھیرہ شریف۔ سرگودھا

ثبوت حاضر ہیں، محمد متین خالد

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت، ملتان، اگست ۲۰۰۴ء، ص:۱۹۔۲۰

پیر کرم شاہ الازہری

جناب پیر صاحب کرم شاہ مرحوم و مغفور ہیں جو سپریم کورٹ کے جج بھی رہے۔ انہوں نے میرے ایک رفیق حاجی محمد شفیع (اب مرحوم) کی وساطت سے اپنے اس تبصرہ کی کاپی مجھے بھیج دی۔ جو انہوں نے وزارت مذہبی امور کو بھیجا۔ چند اقتباسات حسب ذیل ہیں۔ ویسے تو سیرت کی ہر کتاب بڑی متبرک اور اس کا مصنف لائق صد تحسین اور مستحسن صد تبرک ہے کیوں کہ اس کا موضوع وہ ذات و صفات ہے جو اپنی خالق کا احمدؐ اور حامدؐ بھی ہے اور اپنے خالق کا اور اس کی مخلوق کا دونوں جہانوں میں محمدؐ اور محمود بھی ہے ﷺ۔ لیکن مرسلہ کتب میں سے بوجوہ مجھے ''جلال مصطفیٰ'' علیہ طیب التحیۃ مصنفہ ریٹائرڈ میجر امیر افضل خان زیادہ پسند ہے کیونکہ اس مین حضور نبی کریم ﷺ کی سیرت طیبہ کا ایک اہم اور مخصوص پہلو یعنی جہاد فی سبیل اللہ پر بڑے انوکھے انداز سے اظہار خیال کیا گیا ہے۔ میں نے حضور سرور عالمؐ کے غزوات اور سریات کا کافی مطالعہ کیا ہے۔ بڑے بڑے قابل قدر مصنفین کی نگارشات پڑھنے کا موقع ملا ہے۔ لیکن جلال مصطفیٰ (ﷺ) کے فاضل مصنف نے جس اچھوتی انداز سے اس موضوع پر حقیقت افروز تبصرے کیے ہیں وہ

انفرادی حیثیت کے حامل ہیں۔زمینی حالات کا جائزہ۔اپنی مرضی سے میدان جنگ کا انتخاب۔قلیل لشکر کو اس طرح استعمال کرنا کہ وہ اپنی سے کئی گنا اور اسلحہ کے اعتبار سے برتر لشکر کو شکست دیدے۔اور دشمن کو اس طرح مجبور کیا جائے کہ وہ ایسی جگہوں پر اپنا لشکر مرتب کرے جہاں اس کی عددی اور اسلحہ کی برتری ناکارہ ہو جائے۔یہ غزوات نبوی کی وہ خصوصیات ہیں جو اس کتاب (جلال مصطفیٰ) میں بڑی وضاحت سے بیان کی گئی ہیں۔اور موجودہ دور میں ہماری فوجی قیادت ان سے پوری طرح فائدہ اٹھا سکتی ہے۔غزوہ احد کے بارے میں جو تفصیلات آج تک پڑھیں ان سے ذہن میں یہی تاثر پیدا ہوا کہ اس غزوہ میں مسلمانوں کو بڑی شکست کا سامنا کرنا پڑا لیکن جلال مصطفیٰ کے فاضل مصنف نے جنگ احد کو تین مرحلوں میں تقسیم کر کے ان کا جو حقیقت پسندانہ تجزیہ کیا ہے اور اس سے نتائج مستنبط کیے ہیں انہوں نے سابقہ تصورات کو درہم برہم کر دیا۔مصنف نے دلائل اور حقائق سے یہ ثابت کر دیا کہ حضور نبی کریم ﷺ نے جنگ احد میں جس جنگی مہارت اور عبقریت کا مظاہرہ فرمایا۔یا بگڑے ہوئے حالات میں بظاہر اپنی شکست خوردہ اور منتشر افواج کو ازسرنو صف بند کر کے ابوسفیان اور اس کے لشکر جرار کو راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور کر دیا ہے انسان کی جنگی تاریخ میں اس کے مثال نہیں ملتی۔ایک اور نکتہ جس پر فاضل مؤلف نے بڑے مؤثر انداز میں تبصرہ کیا ہے وہ یہ ہے کہ حضور پاکؐ نے ان تمام جنگوں میں صرف اپنے وسائل پر اعتماد کیا اور ہر دفعہ ان ہی کو بروئے کار لا کر دشمن کو ہر میدان میں شکست فاش دی۔اس عصر جدید میں ہماری فوجی قیادت کو حضور پاکؐ کے اس اسوہ کا پوری طرح اتباع کرنا چاہیے۔جو قومیں اپنی جنگی مہمات کو سر کرنے کے لیے

اغیار کے وسائل پر اعتماد کرتی ہیں انہیں آخر کار شکست سے دوچار ہونا پڑتا یا کم از کم ان جانباز مجاہدوں کی بیشتر قربانیاں وہ مقاصد حاصل کرنے سے قاصر رہی ہیں جو بصورت دیگر حاصل ہونی چاہئیں تھیں۔

پیر صاحب آگے ہماری ستمبر ۱۹۶۵ء اور ۱۹۷۳ء میں مصر اور اسرائیل کی جنگوں کی تفصیل میں جاتے ہیں اور لکھتے ہیں ''کہ یہ ہمارے لیے درس عبرت ہیں کہ اغیار یعنی ہمارے سلسلہ میں امریکہ اور مصر کے سلسلہ میں روس نے ضرورت کے وقت ہمیں اسلحہ کی سپلائی بند کر دی''۔ وغیرہ وغیرہ۔ اور آخر میں لکھتے ہیں۔ مسلمان ممالک اپنے نبی کریمؐ کے اسوہ حسنہ کے اس پہلو کو اپنائیں تو ہماری بہت سی مشکلات آسان ہو سکتی ہیں''۔

یہ امیر افضل خاں کی کتاب ''حضور پاک ﷺ کا جلال و جمال'' پر تبصرہ ہے جس کے اقتباسات مصنف مذکور نے اپنی کتاب کے ص: ۶۔۷ پر دیئے ہیں۔

اسلامی قانون و احکام

مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللهَ

محترم جناب جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری مدظلہ العالے

جج سپریم کورٹ آف پاکستان۔عمید دارالعلوم محمدیہ غوثیہ وسجادہ نشین بھیرہ

الحمدللہ رب العالمین والصلوٰۃ والسّلام علیٰ سیّد

المرسلین خاتم النبیّن وعلیٰ اٰلِہٖ واصحابہٖ

مولانا سید عبدالرحمٰن بخاری ریسرچ آفیسر قائداعظم لائبریری باغ جناح لاہور کی تصنیف ''اسلامی قانون کا نظریۂ مصلحت'' کے اہم مقامات کا مطالعہ کرنے کا موقع ملا۔جس سے دل کو بے پایاں مسرت حاصل ہوئی۔فاضل مصنف نے اپنے تحقیقی مقالہ کے لئے کوئی روایتی عنوان تجویز نہیں کیا بلکہ ایک ایسا اہم اور علمی عنوان منتخب کیا ہے جس پر تحقیق کرتے ہوئے ان کو اپنی خداداد ذہانت اور عبقریت کے جوہر دکھانے کا موقع ملا ہے۔میری مسرت کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اس کے مطالعہ سے مطالعہ کرنے والوں کے اذہان کے کئی تاریک گوشے منور ہو جائیں گے اور شریعت اسلامیہ کے بارے میں بے خبری اور بے علمی کے باعث جو غلط فہمیاں قلوب واذہان کی پریشانی کا باعث بنتی ہیں ان کا قلع قمع ہوئے گا۔حقیقت کا روئے زیبا بے نقاب دیکھ کر ان کی آنکھیں روشن اور ان کے دل مسرور ہوں گے۔

موجودہ دور کے قانون دانوں اور قانون سازوں کو یہ غرور ہے کہ جو قانون انہوں نے مدوّن اور مرتب کیے ہیں ان میں نوع انسانی کی انفرادی اور اجتماعی فلاح و بہبود کا قدم قدم پر لحاظ رکھا گیا ہے۔ کوئی ایسا قانون وضع نہیں کیا گیا جس میں انسان کی جبلی صلاحیتوں اور فطری استعدادوں کی نشوونما کا خاطر خواہ اہتمام نہ کیا گیا ہو۔ اس کے برعکس اسلامی شریعت اور دیگر آسمانی شریعتوں میں انسانی معاشرہ کی مصلحتوں اور مفادات کا کوئی خیال نہیں رکھا جاتا۔ اس لئے ان کا خیال ہے کہ اس ترقی یافتہ دور میں ایسے قوانین کو معاشرہ پر مسلط کرنا کسی طرح قرین انصاف نہیں بلکہ شرف انسانیت کی کھلی توہین ہیں۔ ایسا کرنے سے کاروان انسانیت آگے نہیں بڑھے گا بلکہ رجعت قہقری پر مجبور ہو جائے گا۔

اس قسم کی غلط فہمیوں میں وہ تمام ارباب دانش اور ماہرین قانون مبتلا ہیں جنہوں نے شریعت اسلامیہ کا گہری نظر سے مطالعہ کیے بغیر اس کے بارے میں خود ساختہ نظریات کو اٹل تسلیم کر لیا ہے۔ اور ان نظریات کو تنقیدی نگاہ سے دیکھنے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کرتے۔

اس کتاب کے مصنف نے مقدمہ میں اس موضوع پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ انہوں نے قوی دلائل سے ثابت کیا ہے کہ شریعت اسلامیہ کا کوئی قانون ایسا نہیں جس میں اس کے ماننے والوں کی مصلحتوں اور مفادات کو پیش نظر نہ رکھا گیا ہو۔ انہوں نے قرآن کریم کی آیات بینات، رحمت عالم و عالمیان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات طیبات اور علمائے ربانیین کی تحقیقی اور علمی کتابوں کے روشن اقتباسات پیش کر کے ان لوگوں کی بے سروپا غلط فہمیوں کی مکمل طور پر بیخ کنی کر دی ہے۔ میں ان آیات، احادیث اور اقوال کو نقل کر کے اس تبصرہ کو طول نہیں دینا چاہتا۔ قارئین اس

کتاب کے مقدمہ کا سرسری نظر سے بھی مطالعہ کریں گے تو حقیقت روز روشن کی طرح ان پر عیاں ہو جائے گی۔ اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے علمائے اصول کے صرف دو اقتباسات پیش کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔ علامہ عزالدین ابن عبدالسلام اپنی شہرۂ آفاق تصنیف قواعد الاحکام میں لکھتے ہیں:

"ان الشریعة کلها مصالح امادرء مفاسد اوجلب منافع"

(قواعد الاحکام ج ا ص ۹)

ترجمہ: تمام شریعت مصالح سے عبارت ہے جتنے بھی شرعی احکام ہیں ان کا مقصد یا مفاسد کو دور کرنا ہے یا منافع کو حاصل کرنا ہے۔

علامہ ابن قیم "اعلام الموقعین" میں رقمطراز ہیں:

"ان الشریعة مبناها واساسها علی الحکم ومصالح العباد فی المعاش والمعاد" (ج ۳)

ترجمہ: شریعت کے تمام احکام کا دارو مدار اور بنیاد حکمتوں پر ہے اور بندوں کی ان مصلحتوں پر ہے جو اس دنیوی زندگی اور قیامت کے دن انہیں درکار ہیں۔

آپ مقدمہ کا مطالعہ کریں گے تو ان اقتباسات کے علاوہ امت کے متعدد جید علما کی کتابوں کے حوالے آپ کو ملیں گے جن کو پڑھ کر آپ کو قلبی اطمینان نصیب ہوگا۔ اور غلط پروپیگنڈہ کی کلیۃً نفی ہو جائے گی جو شرپسند یا بے خبر لوگ شریعت اسلامیہ کے خلاف کرتے رہتے ہیں۔

اس فاضلانہ مقدمہ کے بعد مصنف علام نے مصلحت کا لغوی مفہوم بڑی شرح وبسط سے بیان کیا ہے پھر اس لفظ کے فنی اور اصطلاحی معنی کی تشریح کی ہے۔ بعد

ازاں مصلحت کے مراتب بیان کیے ہیں پھر مختلف حیثیتوں سے مصلحت کی متعدد تقسیمات کا ذکر کر کے ان کے اثرات کا تذکرہ کیا ہے۔ مصلحت کی پہلی تقسیم مکان کے اعتبار سے ہے یعنی یہ بتایا گیا ہے کہ اس مصلحت کا تعلق معاملات سے ہے یا عالم آخرت سے۔ اس مصلحت کا تعلق ان احکام سے ہے جن میں عبادات کا ذکر ہے یا ان احکام سے ہے جن میں معاملات بیان کیے گئے ہیں۔ مصلحت کی دوسری تقسیم بلحاظ شمول کی گئی ہے۔ اس کا مدعا یہ ہے کہ اس مصلحت کا تعلق معاشرہ کے تمام لوگوں کے دین، نفس، آبرو، عقل اور مال کی حفاظت اور تقویت سے ہے جسے مصلحت کلیہ کہا جاتا ہے۔ یا اس کا تعلق معاشرہ کی غالب اکثریت کے دین، نفس، آبرو، عقل اور مال حفاظت سے ہے یا اس کا تعلق کسی خاص فرد یا کسی خاص طبقہ سے ہے۔ ان مختلف قسم کی مصلحتوں پر جو احکام مرتب ہوتے ہیں پھر ان کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ مصلحت کی تیسری تقسیم باعتبار قوت ذاتی کے ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس مصلحت کا تعلق ضروریات سے ہے یا حاجات سے یا تحسینیات اور تزئینیات سے ہے۔ ان تین قسموں کی تشریح کرنے کے بعد ان پر جو شرعی احکام اور آثار مرتب ہوتے ہیں ان کو تفصیل سے تحریر کیا گیا ہے۔

درحقیقت یہ مباحث بڑے بصیرت افروز اور معلومات افزا ہیں۔ ہر طالب علم کے لئے ضروری ہے کہ ان تحقیقات کا غور وخوض سے مطالعہ کرے اور ان کو یاد رکھے۔

ان مفید مباحث کے بعد فاضل مصنف نے ایک اور بحث کی طرف عنان توجہ منعطف کی ہے۔ وہ یہ کہ وضعی قوانین میں بھی مصلحتوں کو بڑی اہمیت دی جاتی ہے اور آپ کی بیان کردہ تفصیلات کے مطابق شرعی قوانین میں بھی مصالح کی اہمیت

اظہر میں الشمس ہے یہ دونوں نظام متباین ہیں ان کی مصلحتوں میں کیا تفاوت ہے۔ مصنف نے اس بحث کو بڑی تفصیل سے تحریر فرمایا ہے۔ جس کو نہایت اختصار کے ساتھ بایں الفاظ بیان کیا جا سکتا ہے کہ وہ ممالک جہاں اسلامی شرائع کے بجائے انسان کے بنائے ہوئے قوانین نافذ العمل ہیں ان ملکوں میں انسانی زندگی اس دنیوی زندگی سے عبارت ہے۔ اس کے بعد کوئی زندگی ہے نہ کوئی اور جہاں جس میں نیک و بداعمال کی جزا یا سزا ملنے والی ہے۔ اس لیے ان ممالک کے قانون سازوں کی ساری تگ و دو اس نقطے پر مرکوز ہوتی ہے کہ اس زندگی کو زیادہ سے زیادہ پر کشش، مسرت بخش اور لذت آگیں، کس طرح بنایا جائے۔ ہر وہ قانون جس سے اس دنیوی زندگی کا دامن خوشیوں سے بھر جانے کے امکانات ہیں وہ قانون ان کے نزدیک اس قابل ہے کہ معاشرے میں نافذ کیا جائے اور لوگوں کو اس پر عمل پیرا ہونے کے لئے مجبور کیا جائے۔ لیکن ایسے قوانین جو اس زندگی میں انسان کو خوشیوں سے محروم اور لذتوں سے دور پھینک دیتے ہیں وہ اس قابل نہیں کہ ان کو معاشرے میں نافذ کیا جائے۔

قدیم قانون سازوں اور جدید قانون سازوں کے نظریۂ لذت میں اگرچہ الفاظ کا اختلاف ہے لیکن حقیقت میں چنداں تفاوت نہیں۔ دونوں لذت و سرور کو زندگی کا مقصد اور منزل تصور کرتے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ قدیم قانون دان فرد کی لذت کو مقصد حیات بتایا کرتے تھے اور جدید قانون ساز معاشرے کی اکثریت کی لذت انگیزی کو مقصد حیات تصور کرتے ہیں۔ لیکن شریعت اسلامیہ پر ایمان رکھنے والے اس دنیوی زندگی کو ہی آخری زندگی خیال نہیں کرتے بلکہ اس کے بعد عالم آخرت کی زندگی پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ اور اسی زندگی کو دائمی اور حقیقی زندگی یقین

کرتے ہیں۔ وہ اگرچہ دنیوی زندگی کی نعمتوں سے جائز طور پر لطف اندوز ہونے کو ممنوع قرار نہیں دیتے لیکن دنیوی عیش و عشرت میں یوں مگن ہو جانا کہ آخرت کی زندگی کا ستیاناس ہو جائے اس کو بھی روا نہیں سمجھتے۔ ان کی تمام کوششوں کا مقصد آخرت کی زندگی جو حقیقی اور ابدی زندگی ہے اس میں فلاح و کامرانی حاصل کرنا ہے۔

فاضل مصنف نے ان مباحث پر سیر حاصل بحث کی ہے اور فاضلانہ انداز سے داد تحقیق دی ہے۔ جس سے مصلحت کی اہمیت اس کے اثرات اور اس پر مرتب ہونے والے حسین نتائج کے بارے میں مطالعہ کرنے والے کو پوری آگاہی حاصل ہو جاتی ہے۔ لیکن یہاں ہی ایک ایسا نازک مقام ہے جہاں بڑے بڑے دانشوروں کے قدم پھسل جاتے ہیں اور یوں پھسلتے ہیں کہ جادۂ حق سے بھٹک کر منزل سے دور ہو جاتے ہیں اگر مصنف ژوف نگاہی سے کام نہ لیتے اور مصلحت سے متعلق انہی مباحث پر اظہار خیال کر کے اپنی گفتگو کو ختم کر دیتے تو عین ممکن تھا کہ ان کے قارئین ان لوگوں کی طرح ٹھوکر کھا کر منہ کے بل گر پڑتے جنہوں نے مصلحت کو اس کے حقیقی اور جائز مقام سے بھی زیادہ اہمیت دی حتی کہ مصلحت کے مقابلے میں کتاب و سنت کو بھی نظر انداز کر دیا۔

مصنف علام نے یہاں بڑی فراست ایمانی اور جرأت سے کام لیا ہے اور ان لوگوں کی غلطیوں کی نشاندہی کرتے وقت کسی مرعوبیت اور جھجک کا مظاہرہ نہیں کیا بلکہ کھل کر اس مفہوم کو آشکار کیا ہے کہ شریعت اسلامیہ میں صرف وہی مصلحت درخور اعتنا ہے جو کتاب سنت کی تعلیمات سے ہم آہنگ ہو۔ ہر وہ مصلحت جو کسی فرمان الٰہی سے متصادم ہو یا کسی ارشاد نبوی سے معارض ہو اس کی کوئی اہمیت نہیں۔ اس مقام پر مصنف کی بالغ نظری، وسعت علمی اور جرأت مومنانہ کے مظاہر دیکھنے کے لائق ہیں

۔کہ ہر حق پسند شخص ان کی خدمت میں تحسین وآفرین کے رنگین پھول پیش کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔اللہ تعالیٰ ان کو تحقیق حق کی جزائے خیر عطا فرمائے۔

آخر میں قارئین کرام سے فقیر پر زور استدعا کرتا ہے کہ اس کتاب کا اسی توجہ اور غور سے مطالعہ کریں جس کی یہ سزاوار ہے۔یقیناً ان کو انشراح صدر نصیب ہو گا۔اور ان کے نور بصیرت میں اضافہ ہوگا۔

ہم اللہ تعالیٰ سے بصدق دل التجا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سید صاحب کی اس سعی کو مشکور فرمائے اور ہمیشہ اپنی خصوصی توفیقات سے ان کی دستگیری فرمائے تاکہ انکا رہوار قلم تحقیق کرتے وقت صراط مستقیم پر گامزن رہے۔

والحمدللہ رب العالمین والصلوٰۃ والسّلام علٰی سیّدنا ومولانا محمد المبعوث رحمۃ للعالمین واٰلہٖ وصحبہٖ اجمعین.

العبد المسکین

محمد کرم شاہ

سجادہ نشین وعمید دارالعلوم محمدیہ غوثیہ،بھیرہ

۱۵/جمادی الاوّل ۱۴۰۸ھ

۵/جنوری ۱۹۸۸ء

اسلامی قانون کا نظریہ مصلحت،سید عبدالرحمٰن بخاری

شعبہ تحقیق قائداعظم لائبریری،باغ جناح،لاہور،جنوری ۱۹۹۰ء،ص:۳۹۔۴۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تعارف

اسلام دین فطرت ہے اور اسی باعث انسانی زندگی کے ہر شعبے اور ہر پہلو پر حاوی ہے، خواہ وہ روحانی ہو یا فقہی، معاشی ہو یا معاشرتی، ذہنی ہو یا مادی، قرآن پاک میں مندرج اللہ تعالیٰ کے فرامین ان کا مکمل احاطہ کرتے ہیں اور ٹھوس دلائل اور براہین کے ساتھ ساتھ سابقہ ادیان اور قوم کی تمثیلات سے انسان کی اس طرح رہنمائی کرتے ہیں کہ وہ نہ صرف اپنے خالق حقیقی کی لامحدود نعمتوں سے کماحقہ آشنا ہو کر اس کے حضور سر بسجود ہو اور اس کی گوناگون ہزارہا نعمتوں کا شکر بجالائے، بلکہ اس کے بندوں کا حق بھی عبادت سمجھ کر ادا کرے، تاکہ عدل و احسان پر مبنی معیشت اور ایک مربوط اور صحت مند معاشرہ تشکیل پا سکے۔ چنانچہ قرآن پاک میں جہاں بنیادی ارکان اسلام میں سے نماز کی فرضیت کا حکم ہوا ہے۔ وہاں زکوٰۃ کی ادائیگی کو بھی فرض عین قرار دیا گیا ہے اور صدقات دینے کی بار بار تاکید فرمائی گئی ہے، تاکہ دولت گردش کرتی رہے، مستحقین اور غرباء و مساکین کا حق ادا کر کے ان کی ضروریات پوری اور مسائل حل کرے اور محض دولت مندوں کی تجوریوں میں مرتکز ہو کر ان کے اقتدار اور عیش و

عشرت کا سامان بن کر نہ رہ جائے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے کتاب مبین میں زکوٰۃ کے حصول کے ذرائع اور وصولی کے طریقے بھی غیر مبہم طور پر بیان فرمائے ہیں اور اس کے مصارف کی بھی واضح الفاظ میں نشاندہی کی ہے تاکہ ان کے سمجھنے اور ان پر عمل کرنے میں معاشرہ اور حکومت وقت کوئی دقت محسوس نہ کرے اس کے بعد صرف اتنی ضرورت باقی رہ جاتی ہے کہ دین اسلام کے نام لیوا، اسلام دوستی اور حق شناسی کے داعی، اللہ تعالیٰ کے اس نور ہدایت سے اپنے دل و دماغ منور کرتے ہوئے، ان احکامات الٰہی کو تسلیم کریں۔ ان کی تعمیل کریں اور انہیں مکمل طور پر معاشرے اور ملک میں رواج دیں۔ کسی حالت میں بھی ان سے پہلوتہی نہ کریں اور نہ ہی انہیں کسی طرح کی دنیاوی مصلحتوں کی بھینٹ چڑھنے دیں۔ کیونکہ اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ اسلامی نظام مالیات کی اہم ترین بنیاد زکوٰۃ وعشر ہے۔ اگرچہ اس کے علاوہ بھی چند مالی مدات ایسی ہیں جیسے خمس، عشور، ضرائب، نوائب، وغیرہ۔ جو اسلامی مالیاتی نظام میں شامل ہیں لیکن ملک وقوم کی معاشرتی فلاح و بہبود، تنظیم وترتیب اور معاشی تعمیر وترقی میں زکوٰۃ بنیادی حیثیت کی حامل ہے۔ یہی وجوہات ہیں جن کی بنا پر زیر نظر کتاب کے مصنف نے پوری صداقت، نہایت عمدگی اور بڑی جانفشانی سے، اسلامی نظام مالیات میں زکوٰۃ کے فلسفے، تصور اور عمل کے ہر پہلو کو تفصیلاً اجاگر کیا ہے اور پورے نظام میں اس کی وسیع تر افادیت پر زور دیتے ہوئے ہر اسلامی حکومت بالخصوص پاکستانی حکومت اور معاشرے سے اس کے مکمل نفاذ کی بطور مالیاتی نظام استدعا کی ہے اور اسے ہماری دنیوی راحت وعظمت اور اخروی نجات کا وسیلہ قرار دیا ہے۔

اسلامی نظام معیشت یا اقتصادی اور مالیاتی نظام پر، اس وقت تک کتابیں تو

بہت سی لکھی گئی ہیں مگر راجہ محمد افسر صاحب کی یہ کتاب اپنی منفرد نوعیت کے اعتبار سے ان سے خاص امتیازی حیثیت رکھتی ہے کیوں کہ اس میں انہوں نے دوسرے اکثر مصنفین کی طرح صرف مالیات کے بارے میں اسلامی تصورات اور نظریات ہی پیش کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ پاکستان کے خصوصی معاشی و معاشرتی پس منظر کو مدنظر رکھتے ہوئے، اس کی حکومت کی سہولت اور عوام کی بہتری کے لیے نظام زکوٰۃ کے نفاذ کا ایک ایسا عملی خاکہ پیش کیا ہے جو جامع بھی ہے اور قابل عمل بھی۔ اور جو احکامات الٰہی اور اقوال و افعال رسول مقبول ﷺ کے عین مطابق ہے۔ دراصل ان کا پیش کردہ یہ عملی خاکہ ان کے سالہا سال کے ذاتی تجربات و تحقیقات کا نچوڑ ہے جو انہوں نے عوامی نمائندہ اور ایک سماجی کارکن کی حیثیت سے اپنے قصبے ڈنڈوت اور پھر تحصیل، ضلع، ڈویژن میں نظام زکوٰۃ کو اختیاری طور پر زیر عمل لا کر حاصل کیے۔ اور جن کے ذریعے انہوں نے یہ ثابت کر دیا کہ اللہ تعالیٰ کے ودیعت کیے ہوئے اس نظام کی وساطت سے ہم اپنے ملک و قوم کو خوشحالی سے ہمکنار کر سکتے ہیں۔ اور ان تمام معاشی و معاشرتی مسائل کو حل کر سکتے ہیں جو آج ہماری معاشی پس ماندگی اور معاشرتی پستی کا باعث بنے ہوئے ہیں۔

میں اسے اپنی خوش بختی سمجھتا ہوں کہ راجہ صاحب نے مجھے اسلامی نظام مالیات کا تعارف لکھنے کی سعادت دی ہے میں مصنف کو ذاتی طور پر جانتا ہوں وہ عشق الٰہی اور حب رسول ﷺ سے سرشار مرد مومن، محب وطن پاکستانی اور مخلص سماجی کارکن ہیں۔ وہ اپنے سینے میں ایک دردمند دل رکھتے ہیں جو دکھی، بے بس، بے سہارا، نادار، معذور و محتاج اور غربت و افلاس میں پسے انسانوں کو دیکھتے ہی تڑپ اٹھتا ہے۔

میرے نزدیک ان کی اسی انسان دوستی اور خدا پرستی نے انہیں اس قابل کیا ہے کہ وہ اسلامی نظام مالیات کی اصل روح کو اپنے فکر وعمل میں سمو کر، عوام بالخصوص مستحقین اور مجبور و محروم انسانوں کی ضروریات اور مسائل کا صحیح احاطہ کر سکیں۔ ان کا حقیقت پسندانہ تجزیہ کر سکیں اور انہیں اپنے ہی ملکی، قومی، علاقائی اور مقامی وسائل سے، جو اسلامی نظام مالیات کے ذریعے حاصل ہو سکتے ہیں، پورا کرنے یا حل کرنے کے لیے عملی طریق کار پیش کر سکیں۔ راجہ صاحب نے یہ کام بڑی خوش اسلوبی اور کامل اخلاص سے پورا کیا ہے۔

یہ کتاب حقیقتاً مصنف کے اسلامی عقائد، جذبات، تعلیمات اور عملی زندگی کا عکس ہے۔ اسلامی نظام مالیات کے بارے میں تصورات و نظریات، اصول اور حقائق کا بیان اور تجزیہ کرتے ہوئے انہوں نے اس کے نفاذ کی جو عملی تجاویز پیش کی ہیں۔ انہیں نافذ کر کے ہم بطور ایک مسلمان معاشرہ اور قوم اور بالخصوص ہماری اسلامی حکومت، جو فلاحی مملکت ہونے کا بھی دعویٰ کرتی ہے۔ یقیناً صحیح خطوط پر اسلامی فلاحی مملکت کی تنظیم و تشکیل کر سکتے ہیں۔ جو بقول ان کے، جنت ارضی کی مثال ہوگی اور جس سے نہ صرف پاکستان کے عوام بہرہ مند ہو سکیں گے۔ بلکہ دوسرے ممالک بھی، خواہ وہ ترقی پذیر ہوں یا ترقی یافتہ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکیں گے۔

مجھے راجہ صاحب سے کلی اتفاق ہے کہ زکوٰۃ اسلامی نظام مالیات کا بنیادی ستون ہے۔ اس کی بدولت ایک مسلمان معاشرے کے لیے عدل اجتماعی کا حصول، منصفانہ تقسیم دولت کا رواج غربت و افلاس سے نجات، معاشی ناہمواریوں اور ان سے پیدا ہونے والی معاشرتی برائیوں کا تدارک دیانتدارانہ تجارت و تولید زر و جنس اور سب سے بالاتر بیرونی سودی قرضوں سے نجات کا حصول ممکن العمل ہے۔ اس کے مکمل نفاذ کی بدولت ایک معاشرہ اور اس کی حکومت اس قدر مالی وسائل حاصل کر

سکتا ہے کہ اسے اپنی ضروریات کی تکمیل اور مسائل کے حل کے لیے کسی غیر سے امداد یا قرض حاصل کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی اور سب سے بڑھ کر موجودہ غیر اسلامی سودی اور ٹیکس کے مالیاتی نظام مالیات اللہ کا دیا ہوا ایک منفرد نورانی نظام ہے جس کے مکمل اطلاق سے قوم باعزت پرسکون، اطمینان بخش زندگی بسر کر سکتی ہے اور اقوام عالم میں ایک باوقار مقام حاصل کر سکتی ہے۔

راجہ صاحب نے اپنی اس کتاب میں اشتراکی اور مغربی جمہوری مالیاتی نظاموں کا اسلامی نظام مالیات سے موازنہ کر کے بھی یہ واضح کیا ہے کہ مؤخرالذکر اس جدید دور میں بھی نہ صرف قابل عمل ہے بلکہ ہر معاشرے کے لیے دوسرے تمام مالیاتی نظاموں سے زیادہ عادلانہ، مفید، آسان ترقی پسند اور نفع بخش ہے۔ مجھے امید ہے کہ راجہ صاحب کی یہ کتاب ہر اسلامی معاشرے اور حکومت، خصوصاً حکومت پاکستان کے لیے مشعل راہ ثابت ہوگی۔ نیز یہ تصنیف اقتصادیات بالخصوص اسلامی اقتصادیات کی ماہرین، مفکرین اور محققین کے لیے لمحۂ فکریہ پیش کر کے انہیں مزید ترغیب دلائے گی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے اس نظام کے بارے میں اور زیادہ گہری اور عملی نظر سے غور و فکر کریں اور اسے پاکستانی اور عالمی معاشرے کے سامنے ایک عملی نظام کے طور پر پیش کریں۔

میں دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ مصنف کی اس اسلام اور پاکستان کے لیے مخلصانہ خدمت کو قبول فرمائے، اور انہیں دین و دنیا میں سرخرو کرے۔ آمین

(جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری)

جج شریعت بنچ، عدالت عظمیٰ حکومت پاکستان

اسلامی نظام مالیات، راجہ محمد افسر خان

الزکوٰۃ ۲۸۷۔ ای۔ ۷/ اسلام آباد، ص ۱۰ تا ۱۵

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد للہ الذی جعل الاھلۃ مواقیت للناس والحج والصلوٰۃ والسلام علی البدر الکامل والشمس المنیر لفلک الرسالۃ والنبوۃ وعلی آلہ و اصحابہ الذین ھم کالنجوم الامعۃ یھتدی بھا المھتدون.

اللہ تعالیٰ نے جو علیم بھی ہے اور حکیم بھی، دین فطرت کے بہت سے احکام کو رویت ہلال سے وابستہ کر دیا ہے اور امت مسلمہ کے لیے تقویم شمسی کے بجائے تقویم قمری کو پسند فرمایا ہے۔ رمضان المبارک کے روزے ہوں یا عید الفطر، فریضۂ حج کی ادائیگی ہو یا عید الاضحیٰ سب کو رویت ہلال کے ساتھ وابستہ کر دیا ہے اور اس میں جو گوناگوں حکمتیں ہیں اہل نظر پر مخفی نہیں۔

ضیاء الدین صاحب لاہوری جواب لندن (برطانیہ) میں اقامت پذیر ہیں انہوں نے بڑی محنت اور تحقیق سے رویت ہلال کے بارے میں چند الجھے ہوئے گوشوں کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ مثلاً چاند کی پیدائش اور چاند کی رویت میں کیا فرق ہے؟ اور اس کی پیدائش اور رویت میں کم از کم کتنا فرق ہونا چاہیئے۔ نئے چاند کے دیکھے جانے کے امکانات کس وقت روشن ہوتے ہیں۔ کیا جدید ترین آلات کو استعمال میں لاتے

ہوئے یہ یقینی طور پر پیش گوئی کی جاسکتی ہے کہ چاند کی رویت فلاں تاریخ کو ضرور ہوگی۔

ان مسائل پر اور ان کے علاوہ دیگر متعلقہ امور پر انہوں نے علمی اور تحقیقی نقطۂ نظر سے سیر حاصل بحث کی ہے اور عالمی اہمیت کی رصد گاہوں کی تحقیقات کی روشنی میں ہماری راہنمائی کی ہے۔ گذشتہ سالوں کی ایسی مصدقہ جدولیں پیش کی ہیں جن کے مطالعہ سے چاند کی رویت کے بارے میں گذشتہ سالوں میں جو فیصلے کئے گئے ہیں ان کے صحیح یا غلط ہونے کے بارے میں ہم کسی نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں اور آئندہ کے بارے میں ان کی تحقیقات سے کافی استفادہ کیا جاسکتا ہے۔ اہل علم ودانش ان کی اس کاوش کے لیے تہ دل سے ممنون ہیں۔

ان کے اس رسالے کی اہمیت اور افادیت کے پیش نظر ادارہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز نے اس کی اشاعت کا اہتمام کیا ہے۔ ادارہ کی یہ کوشش لائق صد تحسین ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں دین حنیف کی علمی اور تحقیقی خدمات سرانجام دینے کی بیش از پیش توفیق ارزانی فرمائے ہماری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ جناب ضیاء الدین صاحب لاہوری کی اس سعی کو مشکور فرمائے اور اہل علم کو اس سے بھرپور فائدہ اٹھانے کی ہمت مرحمت کرے۔ آمین ثم آمین۔

محمد کرم شاہ

چیئرمین مرکزی رویت ہلال کمیٹی پاکستان

شعبان المعظم ۱۴۰۷ھ

رویت ہلال موجودہ دور میں، ضیاء الدین لاہوری

ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، شعبان المعظم ۱۴۰۷ھ، ص: ۵۔۶

تصوّف

أَلَآ إِنَّ أَوْلِيَآءَ ٱللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ
وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مقدمہ

ذکرالٰہی، زندگی کی جان ہے۔ وہ زندہ انسان جو ذکرالٰہی سے غافل اور محروم ہے اگرچہ عام دیکھنے والوں کی نظروں میں تو اسے زندہ شمار کیا جاتا ہے لیکن درحقیقت وہ مردہ ہے، بے جان ہے اور زندگی کی برکتوں سے یکسر محروم ہے۔ حیات انسانی کی وہی گھڑیاں سرمدی اور ابدی ہیں جو اپنے خالق کریم کی یاد اور محبت میں بسر ہوتی ہیں۔ زندگی کے وہ لمحے جب انسان ذکرالٰہی سے محروم ہوتا ہے وہ فانی ہیں، لاحاصل ہیں اور ایسی زندگی بسر کرنے والے کو بجز حسرت وندامت اور کچھ نہیں ملتا۔

یہ لطیفہ غیبی جس کو قلب کہتے ہیں جو مملکت جسم کا سلطان اور فرمانروا ہوتا ہے جب تک اسے لذت ذکرالٰہی نصیب نہیں ہوتی وہ افسردہ و پژمردہ رہتا ہے۔ حوادثات دہر کے طوفان تنکوں کی طرح اسے اڑاتے رہتے ہیں۔ نہ اسے کہیں قرار نصیب ہوتا ہے اور نہ سکون میسر آتا ہے وہ ایک ایسی پتنگ ہے جس کی ڈور کٹ گئی ہے۔ اور جب کشور جسم کے سلطان کی پژمردگی بے چینی اور اضطراب کا یہ حال ہو تو جسم کی دوسری قوتیں ظاہری اور باطنی، ان میں سکون واطمینان کیونکر پایا جا سکتا ہے۔ زندگی کے

سارے ماہ وسال فکر کی پراگندگی اور ذہن کی بے چینی کا مرکز بنے رہتے ہیں، نہ وہ اپنی منزل کا صحیح تعین کرسکتا ہے اور نہ وہ یکسوئی اور دل جمعی کے ساتھ اپنی خداداد قوتوں کو بروئے کار لاکر اپنی منزل حیات کی طرف پیش قدمی کرسکتا ہے۔ ساری عمر بھٹکتے بھٹکتے اور ٹھوکریں کھاتے بیت جاتی ہے اور جب اس کی زندگی کا چراغ بجھتا ہے تو ناکامی، نامرادی اور حسرت ویاس کے کانٹوں کے بغیر اس کے دامن میں کچھ بھی تو نہیں ہوتا۔

انسان کی زندگی کی منزل کا تعین اور اس کی طرف یکسوئی کے ساتھ رواں دواں رہنے کا عزم صرف انہیں نصیب ہوتا ہے جن کے دل میں محبوب حقیقی کے عشق کی آگ بھڑک رہی ہوتی ہے اور ذکر الٰہی کی شمع ہاتھ میں پکڑ کر وہ جادۂ عشق و محبت پر گامزن رہتا ہے۔ اسی لئے قرآن کریم میں بار بار مختلف اسلوبوں سے انسان کو ذکر الٰہی کی ترغیب دی گئی ہے اور غفلت کے سراب میں ٹھوکریں کھاتے رہنے سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے۔ اسی طرح سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے ارشادات طیبات سے اپنے غلاموں کو خواب غفلت سے بیدار کرنے کی سعی جمیل فرمائی ہے۔ اور بڑے شوق آفرین انداز بیان سے اللہ تعالیٰ کے بندوں کے دلوں میں اپنے رب کریم کی یاد کا ذوق وشوق پیدا فرمایا ہے۔

پہلے آپ، بے شمار آیات قرآنی میں سے چند آیات کریمہ ملاحظہ فرمائیں۔ اس کے بعد حکمت نبوت کے سدا بہار گلزار کے رنگین اور مہکتے ہوئے چند پھول پیش کرنے کی سعادت حاصل کروں گا۔

ارشاد خداوندی ہے:

(۱) فَاذْكُرُوْنِیْ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِیْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ. تم مجھے یاد کرو

میں تمہیں یاد کروں گا۔تم میری نعمتوں کا شکرادا کرواور ناشکری نہ کرو۔

کتنی پیاری آیت ہے۔رب کریم اپنے بندوے کوفرمارہاہے کہ اگر تم مجھے یاد کروگے تو میں تمہیں یاد کروں گا۔اور بندے کی اس سے بڑی خوش قسمتی اور کیا ہوسکتی ہے کہ اس کا خدا اسے یاد کرے۔

حضرت ثابت بنانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''مجھے پتہ چل جاتا ہے جب میرا خدا مجھے یاد کرتا ہے''۔لوگ یہ سن کر گھبرا گئے۔انہوں نے پوچھا آپ کو کیسے پتہ چل جاتا ہے۔آپ نے جواب دیا۔جب میں اس کو یاد کرتا ہوں وہ مجھے یاد کرتا ہے۔

اس آیت کے پڑھنے اور اس میں غور کرنے سے ذکر الٰہی کا شوق خود بخود پیدا ہو جاتا ہے لیکن صرف اسی پر اکتفا نہیں بلکہ ذکر کرنے والے کے ساتھ وعدۂ جود و کرم بھی ہے۔اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ تم مجھ سے دعا مانگو میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔جس سائل کو یہ یقین ہو کہ جس دروازے پر وہ دامن سوال پھیلا رہا ہے وہ کریم ہے اور وہ اپنے سائل کو کبھی خالی واپس نہیں کرتا تو خود سوچئے اس سائل کے ذوق و شوق کا کیا عالم ہوگا۔صرف ایک آدھ بار ذکر کرنے کو کافی نہیں سمجھا گیا بلکہ کثرت ذکر کی بار بار تاکید کی گئی ہے تاکہ بندہ کا کوئی سانس اور کوئی لمحہ اپنے خالق کریم کی یاد کے بغیر نہ گزرے۔کہیں فرمایا۔اُذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا۔ اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کیا کرو۔کہیں فرمایا۔اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کو ہر حالت میں یاد کرتے ہیں کھڑے ہو کر بھی، بیٹھے ہوئے بھی اور اپنے پہلوؤں پر لیٹے ہوئے بھی۔پھر فرمایا۔فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّ

قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِكُمْ. کہ جب تم نماز ادا کر چکو تو پھر بھی اللہ کا ذکر کرو کھڑے ہو کر، بیٹھ کر اور لیٹے ہوئے یعنی نماز ادا کرنے کے بعد یہ نہ سمجھو کہ اب مزید ذکر کی ضرورت نہیں اتنا ذکر ہی کافی ہے جو اثناء نماز کیا گیا ہے۔ فرمایا نماز کے بعد بھی ذکر کی شمع کو روشن رکھو اور جس حالت میں ہو ذکر الٰہی میں مشغول رہو۔

الغرض قرآن کریم میں بکثرت ایسی آیات ہیں جن میں یہ تاکید کی گئی ہے کہ صبح و شام ذکر کرو، رات اور دن میں ذکر کرو۔ سورج کے طلوع ہونے سے پہلے ذکر کرو، سورج کے غروب ہونے سے پہلے ذکر کرو، سورج ڈھلے تو ذکر کرو۔ جب رات کے وقت ساری دنیا میٹھی نیند کے مزے لوٹ رہی ہو، تم جاگو اور اپنے معبود برحق کی یاد میں محو ہو جاؤ۔ کسی عارف ربانی نے خوب کہا ہے:

اوقات ہماں بود کہ با یار بسر شد　　باقی ہمہ بے حاصلی و بے خردی بود

زندگی کے قیمتی لمحے تو وہی تھے جو محبوب حقیقی کی یاد میں بسر ہوئے۔ اس کے علاوہ جو کچھ کیا وہ لاحاصل تھا، بے مقصد تھا، بے نتیجہ تھا اور نادانی تھا۔

ذکر الٰہی کی انہی قرآنی تعلیمات کو شارح قرآن کریم حضور نبی رؤف و رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے جاں پرور ارشادات سے بھی واضح فرمایا ہے۔ ارشاد فرمایا:

(۱) ذَاكِرُ اللهِ فِي الْغَافِلِيْنَ كَالشَّجَرَةِ الْخَضْرَآءِ فِيْ وَسْطِ الْهَشِيْمِ.

اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والا غافلوں میں اس طرح ہے جس طرح سوکھی گھاس میں ہرا بھرا درخت۔ دوسرا ارشاد گرامی ہے:

(۲) ذَاكِرُ اللهِ فِي الْغَافِلِيْنَ كَالْمُقَاتِلِ بَيْنَ الْفَارِّيْنَ.

غافلوں میں اللہ کا ذکر کرنے والا ایسا ہے جیسے میدان جہاد سے بھاگنے والوں میں راہِ حق میں جنگ وقتال کرنے والا مجاہد۔

ایک حدیث قدسی سماعت فرمائیں۔

(۳) قَالَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ يَقُوْلُ اللهُ عَزَّوَجَلَّ اَنَامَعَ عَبْدِيْ مَاذَكَرَنِيْ وَتَحَرَّكَتْ شَفَتَاهُ بِيْ.

حضور نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔ میں اپنے بندے کے پاس ہوتا ہوں جب تک وہ میرا ذکر کرتا ہے اور میرے ذکر سے اس کے دونوں ہونٹ حرکت کرتے رہتے ہیں۔

(۴) حضرت معاذ بن جبل نے عرض کی یارسول اللہ مجھے کچھ نصیحت فرمایئے حضور نے فرمایا اپنے مقدور بھر اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور حجر و شجر کے پاس اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا کرو۔ اگر کوئی برا کام کر بیٹھو تو فوراً اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ازسرنو توبہ کرو۔ پوشیدہ گناہ کی پوشیدہ توبہ اور علانیہ گناہ کی علانیہ توبہ۔

(۵) حضرت معاذ بن جبل کہتے ہیں آخری بات جس پر میں رسول اللہ ﷺ سے جدا ہوا وہ یہ ہے کہ میں نے آپ سے دریافت کیا کہ کون سا عمل اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پیارا ہے۔ حضور نے ارشاد فرمایا کہ تمہیں اس حالت میں موت آئے کہ تمہاری زبان اللہ تعالیٰ کے ذکر سے تر ہو۔

حدیث کے الفاظ ہیں۔

اَيُّ الْاَعْمَالِ اَفْضَلُ قَالَ اَنْ تَمُوْتَ وَلِسَانُكَ رَطْبٌ بِذِكْرِ

اللہِ عَزَّوَجَلَّ۔

(۶) • فضیلت ذکر کے بارے میں آخر میں ایک اور پیاری حدیث غور سے سنیئے:

قَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ قَالَ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ مَنْ شَغَلَہٗ ذِکْرِیْ عَنْ مَسْئَلَتِیْ اَعْطَیْتُہٗ اَفْضَلَ مَا اُعْطِیَ السَّائِلِیْنَ

جس شخص کو کثرت ذکر کے باعث سوال کرنے کی ہی فرصت نہ ملے میں اس کو بن مانگے وہ نعمتیں عطا فرماتا ہوں جو مانگنے والوں کی مانگی ہوئی نعمتوں سے افضل واعلیٰ ہوتی ہیں۔

اہل ذکر کی شان اور مقام رفیع کا تو کیا کہنا وہ مجلس ذکر جس میں وہ بیٹھ کر اپنے رب کو یاد کرتے ہیں اس کی شان ہی ہمارے تصور کی حد سے بالاتر ہے۔

(۱) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَاجَلَسَ قَوْمٌ مَجْلِسًا یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ اِلَّا حَفَّتْ بِھِمُ الْمَلٰئِکَۃُ وَغَشِیَتْھُمُ الرَّحْمَۃُ وَذَکَرَھُمُ اللّٰہُ فِیْمَنْ عِنْدَہٗ۔

جس مجلس میں بیٹھ کر لوگ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں نورانی فرشتے ان کو چاروں طرف سے گھیر لیتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی رحمت ان پر چھا جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ ان کو یاد فرماتا ہے۔ ان اہل مجلس کے درمیان جو اس کے حریم قرب میں حاضر ہوتے ہیں۔

(۲) وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ قَوْمٍ اجْتَمَعُوْا یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ تَعَالٰی لَایُرِیْدُوْنَ بِذَالِکَ اِلَّا وَجْھَہٗ اِلَّا نَادَاھُمْ مُنَادٍ مِنَ السَّمَآءِ قُوْمُوْا مَغْفُوْرًا لَکُمْ قَدْ بُدِّلَتْ لَکُمْ

سَیِّئَاتُکُمْ حَسَنَاتٍ.

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لئے ایک جگہ جمع ہوتے ہیں اور اس سے ان کا مقصد رضائے الٰہی کے بغیر اور کچھ نہیں ہوتا تو ان لوگوں کو آسمان سے ایک ندا کرنے والا ندا کرتا ہے۔ اُٹھو! تمہارے سارے گناہ بخش دیئے گئے ہیں اور تمہاری برائیوں کو نیکیوں میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔

(۳) اہل ذکر کی محفلوں کی بارگاہ الٰہی میں بڑی عزت وشان ہے۔ اس سلسلہ کی آخری حدیث حضرت ابوہریرہ اور ابوسعید خدری سے منقول ہے جسے امام بخاری اور امام مسلم نے اپنی اپنی صحیح میں روایت کیا ہے اس کو پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔

عَنْہُ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ قَالَ اِنَّ لِلّٰہِ عَزَّوَجَلَّ مَلَائِکَۃً سَیَّاحِیْنَ فِی الْاَرْضِ فَضْلًا عَنْ کُتَّابِ النَّاسِ فَاِذَا وَجَدُوْا قَوْمًا یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ فَنَادَوْا ھَلُمُّوْا اِلٰی بُغْیَتِکُمْ فَیَجِیْئُوْنَ فَیَحُفُّوْنَ بِھِمْ اِلَی السَّمَاءِ وَیَقُوْلُ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی اَیَّ شَیْءٍ تَرَکْتُمْ عِبَادِیْ یَصْنَعُوْنَہٗ فَیَقُوْلُوْنَ تَرَکْنَا ھُمْ یَحْمَدُوْنَکَ وَیُمَجِّدُوْنَکَ وَیُسَبِّحُوْنَکَ فَیَقُوْلُ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی وَھَلْ رَاَوْنِیْ فَیَقُوْلُوْنَ لَا فَیَقُوْلُ جَلَّ جَلَالُہٗ کَیْفَ لَوْ رَاَوْنِیْ یَقُوْلُوْنَ لَوْ رَاَوْکَ لَکَانُوْا اَشَدَّ تَسْبِیْحًا وَتَحْمِیْدًا وَتَمْجِیْدًا فَیَقُوْلُ لَھُمْ مِنْ اَیِّ شَیْءٍ یَتَعَوَّذُوْنَ

فَيَقُوْلُوْنَ مِنَ النَّارِ فَيَقُوْلُ تَعَالٰى وَهَلْ رَأَوْهَا فَيَقُوْلُوْنَ لَا. فَيَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ فَكَيْفَ لَوْرَأَوْهَا. فَيَقُوْلُوْنَ لَوْرَأَوْهَا لَكَانُوْا اَشَدَّهَرَبًا مِنْهَا وَاَشَدَّ نُفُوْرًا فَيَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ وَاَيُّ شَيْءٍ يَطْلُبُوْنَ فَيَقُوْلُوْنَ الْجَنَّةَ فَيَقُوْلُ تَعَالٰى وَهَلْ رَأَوْهَا فَيَقُوْلُوْنَ لَافَيَقُوْلُ تَعَالٰى فَكَيْفَ لَوْرَأَوْهَا فَيَقُوْلُوْنَ لَوْرَأَوْهَالَكَانُوْا اَشَدَّ عَلَيْهَا حِرْصًا فَيَقُوْلُ جَلَّ جَلَالُهٗ اِنِّيْ اُشْهِدُكُمْ اَنِّيْ قَدْ غَفَرْتُ لَهُمْ فَيَقُوْلُوْنَ كَانَ فِيْهِمْ فُلَانٌ لَمْ يُرِدْهُمْ اِنَّمَا جَاءَ لِحَاجَةٍ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ هُمُ الْقَوْمُ لَا يَشْقٰى جَلِيْسُهُمْ.

ترجمہ: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے بعض فرشتے ہیں جو زمین میں سیاحت کے لئے مقرر ہیں۔ جب وہ کسی قوم کو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہوئے پاتے ہیں تو ایک دوسرے کو آواز دیتے ہیں۔ ادھر آؤ یہ ہے تمہارا مقصود پس سب آ جاتے ہیں اور آسمان تک خلا کو بھر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتا ہے میرے بندوں کو کیا کرتے ہوئے تم نے چھوڑا؟ وہ فرشتے عرض کرتے ہیں ہم نے انہیں چھوڑا اس حال میں کہ وہ تیری حمد کر رہے تھے۔ تیری بڑائی بیان کر رہے تھے اور تیری پاکی بیان کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان سے دریافت کرتا ہے کہ انہوں نے مجھے دیکھا ہے؟ فرشتے جواب دیتے ہیں نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اگر وہ مجھے دیکھ لیتے تو ان کی کیا کیفیت ہوتی؟ فرشتے عرض کرتے ہیں اگر وہ تجھے دیکھ لیتے تو وہ تیری

تسبیح، تحمید اور تمجید پر اور زیادہ حریص ہوتے۔ پھر اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتا ہے کیا وہ کسی چیز سے پناہ مانگ رہے تھے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں الٰہی وہ آگ کے عذاب سے پناہ مانگ رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کیا انہوں نے آتش جہنم کو دیکھا ہے؟ فرشتے کہتے ہیں نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اگر وہ اسے دیکھ لیتے تو ان کی کیا کیفیت ہوتی؟ فرشتے عرض کرتے ہیں اگر وہ اسے دیکھ لیتے تو وہ اس سے اور زیادہ دور بھاگتے۔ پھر اللہ تعالیٰ پوچھتا ہے کوئی چیز طلب بھی کر رہے تھے؟ فرشتے کہتے ہیں کہ جنت۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کیا انہوں نے اس کو دیکھا ہے؟ فرشتے کہتے ہیں نہیں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ان کی کیا کیفیت ہوتی اگر وہ جنت کو دیکھ لیتے؟ فرشتے کہتے ہیں اگر وہ اس کو دیکھ لیتے تو اس کے حصول کے لئے اور زیادہ خواہش کا اظہار کرتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے فرشتو! میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے ان کو بخش دیا ہے۔ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ اس محفل میں ایک ایسا آدمی بھی تھا جو اس مقصد کے لئے وہاں نہیں آیا تھا بلکہ اسے کوئی اور حاجت تھی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرا ذکر کرنے والے بندے وہ لوگ ہیں کہ جن کے پاس بیٹھنے والا بد بخت نہیں رہتا۔ یعنی وہ آدمی اگرچہ میرے ذکر کے لئے اس محفل میں شریک نہیں ہوا تھا لیکن اہل ذکر کی ہم نشینی تو اسے نصیب ہوئی تھی۔ جو ایسے لوگوں کے پاس بیٹھ جائے اس کی شقاوت سعادت سے بدل جاتی ہے۔

ذکر الٰہی وہ صیقل ہے جس سے دل کا زنگار دور ہوتا ہے۔ جس سے غفلت کی

مدہوشی کا فور ہوتی ہے اور نفس انسانی اخلاق رذیلہ سے نجات حاصل کر کے اخلاق حسنہ سے مزین و آراستہ ہوتا ہے اور انسانیت کے اعلیٰ وارفع مقام پر اس کو رسائی نصیب ہوتی ہے اس لئے صوفیاء کرام خود بھی اور اپنے متوسلین کو بھی ذکر الٰہی کی طرف متوجہ کرتے رہتے ہیں اس لئے مختلف قسم کے اوراد و وظائف انہوں نے طالبان حق کے لئے مدون و مرتب کر دیئے ہیں جو قرآن و سنت سے ماخوذ ہیں۔ تاکہ آسانی کے ساتھ وہ ان پر عمل پیرا ہو سکیں۔ حضور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات اقدس و اطہر پر درود پاک بھی ذکر الٰہی کی اعلیٰ ترین قسم ہے۔ کیونکہ ارشاد ربانی ہے اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا یعنی یہ وہ ذکر ہے جس کو صرف خاکی انسان ہی انجام نہیں دیتے بلکہ نوری فرشتے بھی اس سے سعادت حاصل کرتے ہیں اور خود خداوند کریم بھی اپنے حبیب مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجتا ہے۔ اس لئے دیگر اذکار کے علاوہ درود پاک بھی اولیاء کاملین اور ان کے مخلص متبعین کا شعار رہا ہے اور درود پاک کے فضائل و برکات سے احادیث کی کتب بھری پڑی ہیں۔ جن میں سے چند احادیث دلائل الخیرات شریف کی ابتداء میں حضرت مصنف نے ذکر کر دی ہیں۔ دلائل الخیرات درود پاک کے ان تمام صیغوں پر مشتمل ہے جو مختلف اسناد سے مروی ہیں اور اس کو اتنا قبول عام نصیب ہوا ہے کہ تمام سلاسل تصوف میں اس کی تلاوت کی جاتی ہے اور اس کو باعث سعادت و نجات تصور کیا جاتا ہے۔

برصغیر ہند و پاک کے چاروں مشہور سلسلوں چشتیہ، قادریہ، سہروردیہ اور نقشبندیہ میں اس وظیفہ کو پابندی سے پڑھا جاتا ہے۔ اور جن اہل دل حضرات نے اس

کو اپنا معمول بنایا ہے انہیں ان برکات کا ذاتی مشاہدہ ہے جو اس کے طفیل بارگاہ الٰہی سے انہیں ارزانی ہوتی ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، آپ کے مشائخ، آباء واجداد اور آپ کے متوسلین اس کے عامل تھے۔ آج جب کہ مادی لذتوں کی کشش نے اور زر وسیم کی ہوس نے ہر شخص کو اتنا مشغول کر دیا ہے کہ اسے ذکر الٰہی کے لئے نہ وقت ملتا ہے اور نہ اس کا شوق اس کے دل میں پیدا ہوتا ہے ضروری ہے کہ مشائخ عظام اور اولیاء کرام کے وظائف ومعمولات کو بڑی اعلیٰ کتابت اور دلکش طباعت کے ساتھ ملت کے نوجوانوں کی خدمت میں پیش کیا جائے تا کہ وہ اپنی زندگی کے اولین مقصد کے حصول کی طرف بھی متوجہ ہوں اس لئے ادارہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز نے دلائل الخیرات اور جملہ سلاسل تصوف کے دیگر اوراد کو بڑے عمدہ طریقہ سے طبع کرانے کا اہتمام کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس ادارہ کو خدمت دین کی بیش از پیش توفیقات سے بہرہ ور فرمائے۔

آج کل بعض اہل ظاہر جو کسی غلط فہمی کے باعث اپنے آپ کو اہل علم وفضل میں شمار کرتے ہیں ہر جگہ یہ کہتے ہوئے سنائی دیتے ہیں کہ یہ اوراد ووظائف بدعت سیئہ ہیں۔ قرآن کریم کی تلاوت سے روکنے کا باعث ہیں۔ مسلمانوں کو چاہیئے کہ ان کو اپنے معمولات میں ہرگز داخل نہ کریں۔

آج کل لوگ ویسے بھی خواہشات نفسانی کے اسیر اور لذات دنیا کے گرویدہ ہونے کے باعث ذکر الٰہی سے محروم ہیں۔ ان مدعیان علم وفضل کی ان باتوں نے انہیں ذکر الٰہی کے شوق سے یکسر محروم کر دیا ہے۔ اب انہیں اس محرومی پر احساس زیاں بھی نہیں رہا۔ ان حضرات کے ان ارشادات نے انہیں مطمئن کر دیا ہے کہ غفلت کی میٹھی

نیند کے جو مزے یہ لوٹ رہے ہیں اسی میں ان کی خیر ہے اسی میں ان کی بھلائی ہے۔

حالانکہ اگر یہ صاحبان بزرگان دین کے ان وظائف و اوراد کا بنظر غائر مطالعہ کریں تو انہیں اس نتیجہ پر پہنچنے میں ذرا دقت نہ ہو کہ قرآن کریم کی بے شمار آیات اور نبی کریم ﷺ کے ان گنت ارشادات جن میں ذکر الہٰی کی تلقین کی گئی ہے اور ہمہ وقت اپنے معبود برحق کی تحمید و تمجید کی ترغیب دی گئی ہے درحقیقت یہ اوراد انہی اوامر کی حسین تعمیل ہیں۔ اور یہ رب العالمین کے ان عاشقان باصفا کی کیف انگیز اور شوق آگیں عبارات ہیں جن میں انہوں نے اپنے پاک دلوں میں اٹد کر آنے والی کیفیات محبت کو اپنی پاک زبانوں سے الفاظ کا زیبا لباس پہنچایا ہے۔ آپ ان اوراد میں ایک جملہ کی بھی نشان دہی نہیں کر سکتے جس میں توحید ذاتی اور توحید صفاتی کو بکمال بلاغت و فصاحت بیان نہ کیا گیا ہو۔ یہ دلوں سے نکلے ہوئے ایسے اثر آفرین جملے ہیں کہ غافل سے غافل دل بھی ان کی تلاوت کے بعد لذت ذکر سے سرشار ہو جاتا ہے اور اپنے معبود برحق کی یاد میں یوں کھو جاتا ہے کہ دنیا و مافیہا سے بے نیازی کی کیفیت اس پر طاری ہو جاتی ہے جو اوراد ذکر الہٰی سے عبارت ہوں اور ذکر بھی وہ جو عشق و محبت کے رنگ میں رنگا ہوا ہو۔ اس کے بارے میں لوگوں کے دلوں میں غلط فہمیاں پیدا کرنا اور شک و شبہ کی تخم ریزی کرنا دین کی کوئی خدمت نہیں۔

عہد حاضر کے مدعیان علم و دانش کو ان کے حال پر رہنے دیجئے۔ ذرا زمرۂ علماء کے ان اہل تحقیق اسلاف صالحین کی سیرتوں کا مطالعہ کیجئے۔ آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ وہ عمر بھر اولیاء کرام کے مرتب کردہ اوراد و وظائف کو پابندی سے پڑھتے رہے اور ان کی برکات و فیوضات سے اپنے دلوں کو وادی ایمن بناتے رہے اور اپنے

ہم نشینوں کے سینوں میں عشق الٰہی کی آگ بھڑکاتے رہے۔

حضرت خواجہ خواجگان شمس العارفین شمس الحق والدین سیالوی قدس سرہ العزیز کے وجود مسعود سے طریقت ومعرفت کے گلشن میں بہار آ گئی۔ قریہ قریہ، بستی بستی ذکر الٰہی کی محفلیں منعقد ہونے لگیں۔ ہر سو، ہر سمت اللہ ہو کی دلنواز اور روح پرور صدائیں بلند ہونے لگیں۔ دلوں کے بجھے ہوئے چراغ پھر روشن ہو گئے۔ ٹھٹھرے ہوئے احساسات کو فطرت سیماب ارزانی ہوئی جو بھی اس بندۂ حق کے روئے زیبا کی زیارت کرتا۔ محبت الٰہی کی دولت سے اس کا دامن معمور ہو جاتا۔ آپ کے فرزند ارجمند ثانی لاثانی حضرت خواجہ محمد دین قدس سرہ العزیز جو حضرت شمس العارفین کے وصال کے بعد آستانہ عالیہ سیال شریف کے پہلے سجادہ نشین مقرر ہوئے۔ آپ نے آنجناب کی اجازت وایماء سے ۱۲۹۱ھ میں سالکان راہ حقیقت وطالبان گوہر معرفت کی راہ نمائی اور آسانی کے لئے مجموعہ وظائف ترتیب دیا۔ جسے حضرت علامہ مولانا احمد دین صاحب (چکوال) جو اعلیٰ حضرت کے خلیفہ مجاز تھے نے کمال صحت کے ساتھ طبع کرایا۔ حضرت خواجہ شمس العارفین رحمۃ اللہ علیہ کو آپ کے شیخ کامل پیر پٹھان حضرت خواجہ شاہ محمد سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ نے چاروں سلسلوں کی اجازت دی تھی اس لئے حضرت خواجہ شمس العارفین کی اجازت سے جو مجموعۂ اوراد ووظائف مرتب ہوا اس میں فقط سلسلہ چشتیہ کے معمولات پر ہی اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ اس میں چاروں سلاسلِ تصوف کے اہم معمولات کو یکجا کر دیا گیا ہے۔

یہ مجموعۂ وظائف جواب آپ کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے اس میں حضرت قبلہ ثانی صاحب کے شائع کردہ مجموعۂ وظائف کی پیروی کی گئی ہے تا کہ بعینہ

وہی چیز، اسی ترتیب کے ساتھ شائقین تک پہنچے جو حضرت خواجہ شمس العارفین کی اجازت سے آپ کے فرزند ارجمند نے مرتب کی تھی۔

حضرت مولانا احمد دین صاحب کا مجموعہ وظائف غیر مترجم تھا۔ بعد میں اس کے جو ایڈیشن شائع ہوئے وہ اگرچہ مترجم تھے لیکن عربی متن غلطیوں سے بھرا ہوا تھا۔ اور ترجمہ بھی کیف و سرور سے یکسر خالی تھا۔ یہ مجموعہ مترجم ہے اور اس کے ترجمہ میں کوشش کی گئی ہے کہ ترجمہ پڑھتے ہوئے قاری کو وہی کیف و سرور میسر آئے جو اصل متن کی تلاوت سے اہل علم کو نصیب ہوتا ہے۔ نیز پوری کوشش کی گئی ہے کہ عربی متن کتابت کی غلطیوں سے مبرا ہو۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ بیکس پناہ میں یہ فقیر سراپا تقصیر بصد عجز و نیاز ملتجی ہے کہ وہ رحیم و کریم اپنے اس عاجز بندے کی اس کوشش کو شرف قبولیت بخشے۔ ان اوراد کے پڑھنے والوں کو انہیں برکتوں اور سعادتوں سے بہرہ ور کرے جو اہل دل کا مقدر ہیں اور ادارہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز کو بھی بزرگان دین کی تعلیمات دل آویز، دل افروز اور دلربا انداز میں قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کی توفیق ارزانی فرمائے۔

اس مجموعہ وظائف میں ترجمہ کے علاوہ قارئین کے فائدہ کے لئے چند چیزوں کا اضافہ کیا گیا ہے حصن حصین سے چند ایسی دعائیں نقل کی گئی ہیں جن کی ہر شخص کو اکثر ضرورت ہوتی ہے۔ یہ وہ دعائیں ہیں جو سرور عالم ﷺ نے اپنے صحابہ کو تعلیم فرمائیں۔ جن کی برکات اور اثرات محتاج بیان نہیں۔ نیز مشائخ سلسلہ چشتیہ کے حالات بڑے اختصار کے ساتھ بیان کر دیئے ہیں۔ بعض مقامات پر جہاں جگہ تھی اولیاء کاملین کے دل میں اتر جانے والے ارشادات کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔
وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ وَهُوَ وَلِيُّ التَّوْفِيْق.

رب اوزعنی ان اشکر نعمتک التی انعمت عَلیّ
وعلی والدیّ وان اعمل صالحا ترضاہ واصلح
لی فی ذرّیتی انی تبت الیک وانی من المسلمین
بجاہ حبیبک الکریم شفیع المذنبین صلی اللّٰہ
تعالٰی علیہ وعلی آلہ واصحابہ واولیاء امتہ
وعلماء ملّتہ اجمعین الی یوم الدین۔

المترجم والمرتب

المتمسک بذیل حبیبہ الکریم صلی اللہ علیہ وسلم

محمد کرم شاہ

سجادہ نشین آستانہ عالیہ امیریہ چشتیہ نظامیہ

بھیرہ۔ ضلع سرگودھا

۷۔ رمضان المبارک ۱۴۰۴ھ

۷ رجون ۱۹۸۴ء

مجموعہ وظائف مع دلائل الخیرات، پیر محمد کرم شاہ الازہری

ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور، جون ۱۹۸۵ء، ص: ۵ تا ۱۴

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

اللھم لک الحمد علی کبریاءک ولک

الشکر علی حسن توفیقک وجزیل عطاءک

والصلوۃ والسلام علی طور التجلیات الاحسانیۃ

ومھبط الاسرار الرحمانیۃ سیدنا ومولانا محمد

وعلی آلہ واصحابہ واحباءہ الی یوم الدین۔

ادارہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز نے قلیل عرصہ میں جو شاندار کامیابیاں حاصل کی ہیں وہ محض مولا کریم کا لطف واحسان ہے۔ اس ادارہ کے ایثار پیشہ مخلص اراکین، فرض شناس اور محنتی کارکنوں کی مساعی کو علیم وحکیم خدا نے شرف قبول ارزانی فرمایا ہے اور اس کی توفیق ودستگیری سے یہ ادارہ اپنی منزل رفیع کی طرف رواں دواں ہے۔

قلیل مدت میں تفسیر ضیاء القرآن کی پانچ ضخیم جلدوں کی معیاری کتابت، دیدہ زیب طباعت، خوبصورت جلد اور عوام وخاص میں اس تفسیر کی بے پناہ پذیرائی کے باعث اس کی بار بار اشاعت کوئی معمولی کارنامہ نہیں۔ فتنہ انکار سنت کے رد میں اس فقیر کی تحقیقی کتاب سنت خیر الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اشاعت اور کئی دیگر علمی اہمیت کی حامل کتب کی طباعت واشاعت، بجز توفیق الٰہی کیونکر ممکن تھی!

اب یہی ادارہ ملت اسلامیہ کے نوجوانوں اور حق وصداقت کے متلاشیوں کی خدمت میں ایک عظیم تحفہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے اور وہ ہے مخدوم امم سید علی بن عثمان الجلابی (المعروف داتا گنج بخش) قدس سرہ العزیز کی زندہ جاوید اور مایہ ناز تصنیف ''کشف المحجوب'' کا اردو ترجمہ۔ اگرچہ اس صحیفہ رشد وہدایت کو روز اول سے قبول عام نصیب ہوا اور اس کے متعدد فارسی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ انگریزی، جرمنی اور دیگر مغربی زبانوں میں اہل علم وفضل نے اس کے ترجمے کئے ہیں۔ ان کے علاوہ اردو زبان میں بھی بڑے بڑے اہل قلم نے اس کا ترجمہ کر کے قارئین کی خدمت میں پیش کیا ہے تاکہ خاص وعام اس چشمہ شیریں سے اپنی روحانی اور قلبی پیاس بجھا سکیں۔ لیکن کشف المحجوب کا جو ترجمہ ادارہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز شائع کرنے کا شرف حاصل کر رہا ہے قارئین اس کے مطالعے کے بعد خود یہ کہنے پر مجبور ہوں گے کہ جس طرح علم تصوف میں فارسی زبان میں لکھی ہوئی کشف المحجوب کا کوئی جواب نہیں اسی طرح حضرت علامہ فضل الدین گوہر صاحب کا یہ اردو ترجمہ بھی اپنی نظیر نہیں رکھتا۔

میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اس کے دیباچہ میں تصوف کی حقیقت اور اس کے مفہوم کو اس طرح بیان کیا جائے کہ ایک عام قاری بھی اس کو بآسانی سمجھ سکے۔ اسی طرح ان اعتراضات کا بھی بے لاگ اور حقیقت پسندانہ تجزیہ کیا جائے جو آج کل فیشن کے طور پر بڑی بے باکی، بلکہ بڑی بے رحمی سے صوفیاء کرام اور ان کے مسلک پر کئے جاتے ہیں تاکہ شکوک وشبہات کا غبار چھٹ جائے اور حقیقت کا رخ زیبا بے نقاب ہو جائے۔ اس کے بعد ہم حضرت داتا گنج بخش سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی

سیرت طیبہ کا اختصار سے ذکر کریں گے اور ساتھ ہی آپ کی اس مایہ ناز تصنیف کشف المحجوب کی چند خصوصیات کی طرف قارئین کی توجہ مبذول کرائیں گے۔

سب سے پہلے ہم لفظ صوفی پر بحث کریں گے کہ اس کا ماخذ اشتقاق کیا ہے اور اس فن سے وابستہ لوگ اس کو کس مفہوم میں استعمال کرتے ہیں۔

ابوریحان البیرونی (۹۷۳ تا ۱۰۴۸ھ) کا نام محتاج تعارف نہیں۔ یہ بیک وقت ریاضی طب۔ فلک، تقادیم اور تاریخ میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ انہوں نے کئی سال ہندوستان میں بسر کیے، سنسکرت میں مہارت حاصل کی اور یہاں کے تمدن اور مذہبی افکار، اعمال کا گہری نظر سے مطالعہ کیا۔ وہ کہتے ہیں:

''صوفی'' کا ماخذ سوف ہے جو یونانی زبان کا لفظ ہے۔ سوف کا معنی ''حکمت'' ہے۔ اسی لئے حکیم اور دانشمند کو فیلسوف کہتے ہیں۔ فیلا کا معنی محب اور سوف کا معنی حکمت یعنی دانش و حکمت سے محبت کرنے والا، سوف کے لفظ کو جب عربی میں ڈھالا گیا تو تحریف کے بعد صوفی ہو گیا کیونکہ یونان میں حکماء کا ایک ایسا گروہ تھا جن کا نظریہ تھا کہ وجود حقیقی صرف علت اولیٰ کے لئے ہے کیونکہ وہی ماسویٰ سے مستغنی ہے۔ باقی سب اس کے محتاج ہیں اس لئے موجود حقیقی صرف وہی علت اولیٰ ہوگی باقی اشیاء کا وجود حقیقی نہیں بلکہ خیالی ہے۔ کیونکہ مسلمانوں میں بھی بعض حضرات کا عقیدہ بظاہر ان سے قریب ہے، اسی مناسبت سے انہیں بھی صوفی کہا گیا۔''

لیکن البیرونی کی یہ رائے قابل اعتنا نہیں چونکہ یونانی کتب کے عربی تراجم کا سلسلہ تیسری صدی ہجری کے نصف کے لگ بھگ شروع ہوا اور اہل عرب کے ہاں صوفی کا لفظ اس سے بہت پہلے مستعمل ہوتا تھا۔ جو صاحب سب سے پہلے صوفی کے

لقب سے ملقب ہوئے وہ ابوالہاشم الکوفی تھے جن کی وفات ۱۵۰ھ میں ہوئی تھی یعنی ترجمہ کے دور سے تقریباً ایک سو سال پہلے۔ اس لئے البیرونی کی رائے میں کوئی وزن نہیں۔ البیرونی، اپنے اس رویہ پر اس لئے مصر ہیں کہ اگر اس کے علاوہ صوفی کا کوئی اور مادہ اشتقاق مانا جائے تو اس میں حکمت و معرفت کی نسبت مفقود ہو جائے گی اور یہ لفظ سطحی قسم کا ہو جائے گا۔ البیرونی نے صوفی کے لفظ کی تقدیس کو تو برقرار رکھا، لیکن انہیں یہ خیال نہ آیا کہ اس طرح وہ اسلامی تصوف کو یونانی علوم کا ریزہ چین ثابت کر رہے ہیں اور اس کی انفرادیت کو ختم کر رہے ہیں، جو واقعہ کے بھی خلاف ہے اور تصوف کے مقام سے بھی فروتر۔ اس لئے البیرونی کے اس قول کو تمام مسلم محققین نے رد کر دیا، البتہ یورپ کے مستشرقین میں سے انہیں کئی لوگ اپنے ہمنوا مل گئے۔ لیکن اس کی وجہ کچھ اور ہے جس سے قارئین واقف ہیں۔

بعض کے نزدیک صوفی، صفا سے ماخوذ ہے کیونکہ یہ لوگ ظاہر اور باطن دونوں کی صفائی اور پاکیزگی کا بیحد اہتمام فرماتے تھے، اس لئے ان کو صوفی کہا جانے لگا۔ لیکن صرف کے قواعد اس کی اجازت نہیں دیتے۔ اگر صفا کی طرف نسبت کو ملحوظ رکھنا ہوتا تو انہیں صوفی کے بجائے صفوی کہا جاتا۔ اشتقاق لغوی کے قواعد کو نظر انداز کرنا درست نہیں۔

بعض علماء نے صف کو صوفی کا ماخذ قرار دیا ہے کیونکہ جہاد اصغر ہو یا جہاد اکبر، یہ لوگ ہمیشہ صف اول میں ظاہری اور باطنی دشمنوں کے سامنے سینہ سپر ہوتے ہیں لیکن قواعد اشتقاق اس قول کی بھی تغلیط کرتے ہیں۔ صف کی نسبت سے انہیں صفی کہلانا چاہئے تھا نہ کہ صوفی۔

بعض حضرات کا خیال ہے کہ اصحاب صفہ کی نسبت سے انہیں صوفی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ حضرات دنیا کے علائق سے اپنے آپ کو آزاد کر کے دن رات ذکر الٰہی اور اطاعت رسالت پناہی میں سرگرم رہتے تھے اور فقر و درویشی کی زندگی بسر کرنے والے لوگوں نے بھی دنیا کی لذتوں، آسائشوں اور دلچسپیوں کو طلاق دے دی ہے اور صرف رضائے الٰہی کے حصول کے لئے شب و روز سرگرداں رہتے ہیں۔ اس لئے انہیں اصحاب صفہ سے خصوصی نسبت ہے اسی وجہ سے انہیں صوفی کہا گیا۔ بظاہر تو یہ وجہ بڑی معقول معلوم ہوتی ہے لیکن قواعد اشتقاق اس کی اجازت بھی نہیں دیتے۔ اگر انہیں صفہ سے نسبت ہوتی تو صفوی کہا جاتا۔

بعض محققین نے اس کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی ہے کہ یہ لوگ صوف کا لباس پہنتے تھے۔ اس سے صوفی کا لفظ بنا ہے۔ قواعد کے لحاظ سے تو یہ نسبت درست ہے، لیکن ضروری نہیں کہ ہر صوفی صوف کا لباس پہنے۔ بڑے بڑے جلیل القدر صوفیاء ایسے گزرے ہیں جو صوف کا لباس نہیں پہنتے تھے۔

ابوالقاسم امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ مختلف آراء نقل کرنے کے بعد اپنی رائے کا اظہار یوں کرتے ہیں:

"ولایشهد لهذاالاسم اشتقاق من جهة العربية وقياس والظاهر انه لقب"

ترجمہ: "یعنی صوفی کے لفظ کا ماخذ اشتقاق عربیت کے لحاظ سے اور قواعد و صرف کی رُو سے معلوم نہیں ہوتا۔ سیدھی صاف بات یہ ہے کہ یہ اس فن کا لقب ہے۔"

علامہ ابن خلدون نے بھی امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ کی اس رائے کو پسند کیا۔

صوفی کے لفظ کی لغوی تحقیق کے بعد اب ہم اصل مقصد کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ تصوف کا مفہوم کیا ہے؟ علامہ ابن خلدون اپنے مقدمہ میں علم التصوف کے باب میں اس کی توضیح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

اصل التصوف العکوف علی العبادۃ والانقطاع الی اللہ تعالی والاعراض عن زخرف الدنیا وزینتھا والزھدفیما یقبل الیہ الجمھور من لذۃ ومال وجاہ...... وکان ذالک عامافی الصحابۃ والسلف.

ترجمہ: تصوف کا معنی ہے عبادت پر ہمیشہ پابندی کرنا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف ہمہ تن متوجہ ہونا۔ دنیا کے زیب وزینت کی طرف سے روگردانی کرنا۔ لذت مال اور جاہ جس کی طرف عام لوگ متوجہ ہیں اس سے کنارہ کش ہونا۔ یہ طریقہ صحابہ کرام اور سلف الصالحین میں عام مروج تھا۔"

اکثر حضرات تصوف کی تعریف میں اخلاقی پہلو کی طرف زیادہ توجہ کرتے ہیں اور یہ نظریہ حلقہ صوفیاء میں بھی مقبول ہے۔ اس نظریہ کے مطابق جن حضرات نے تصوف کی تعریف کی ہے۔ ان میں سے چند نمونے پیش خدمت ہیں:

ابوبکر الکتانی (المتوفی ۳۲۳ھ) فرماتے ہیں: "**التصوف خلق ومن زادعلیک فی الخلق فقدزادعلیک فی الصفاء**"

"یعنی تصوف خُلق کا نام ہے جو خُلق میں تجھ سے برتر ہوگا وہ صفائی میں بھی تجھ سے بڑھا ہوا ہوگا۔"

ابومحمد الجریری (المتوفی ۳۱۱ھ) سے کسی نے تصوف کے بارے میں پوچھا۔ آپ نے فرمایا: **الدخول فی کل خلق سنی والخروج من کل خلق دنی۔**

''یعنی ہر اعلیٰ اور عمدہ خُلق میں داخل ہونا اور ہر رذیل عادت سے باہر نکلنا تصوف ہے۔''

ابوالحسین النوری تصوف کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''لیس التصوف رسماو علماو لکنه خلق''

''تصوف نہ رسم ہے، نہ علم بلکہ یہ خلق کا نام ہے۔''

دوسرے مقام پر انہیں کا ارشاد ہے:

التصوف: الحرية والكرم و ترك التكلف والسخاء

ترجمہ: ''تصوف، حریت، کرم، بے تکلفی اور سخاوت کا دوسرا نام ہے۔''

اگر چہ اخلاقی نقطہ نظر سے تصوف کی یہ تعریف شرق و غرب میں مشہور بھی ہے اور مقبول بھی۔ لیکن اسے تصوف کی صحیح تعریف نہیں کہا جا سکتا۔ بہت سے لوگ جو مکارم اخلاق میں اپنی نظیر نہیں رکھتے انہیں صوفی نہیں کہا جا سکتا۔ یہ بات مسلم ہے کہ تصوف کی بنیاد اخلاق کریمہ پر ہے اور صوفی کے لئے ناگزیر ہے کہ وہ مکارم اخلاق سے متصف ہو، لیکن اسے تصوف کا حقیقی مفہوم نہیں قرار دیا جا سکتا۔

تصوف کی تعریف میں دوسرا نقطہ نظر یہ ہے کہ اس کا معنی زہد ہے یعنی دنیا اور دنیا کی زیب و زینت اور لذات سے کلیتہ کنارہ کشی، یہ بجا کہ صوفی کا دل دنیا سے بیزار ہوتا ہے لیکن یہ حقیقت بھی اپنی جگہ مسلم ہے کہ زہد و تقشف اور چیز ہے اور تصوف اور چیز ہے بعض لوگوں نے عبادت گزار کو صوفی کہا ہے، لیکن ان کا یہ قول بھی حقیقت سے بہت دور ہے۔ ایک شخص عبادت میں سرگرم ہوتا ہے لیکن پھر بھی اسے صوفی نہیں کہا جاتا۔

ابن سینا اپنی کتاب ''الاشارات'' میں بڑی وضاحت سے زاہد، عابد اور صوفی میں جو فرق ہے اسے بیان کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

''جو شخص دنیا اور اس کی لذتوں سے منہ موڑ لے اسے زاہد کہتے ہیں۔ جو شخص ہر لمحہ عبادت میں مصروف رہے اسے عابد کہتے ہیں اور **والمنصرف بفکرہ الی القدس الجبروت مستدیما لشروق نور الحق فی سرہ یخص باسم العارف** یعنی جو شخص ہمیشہ اپنی فکر کو قدس جبروت کی طرف متوجہ رکھتا ہے اور ہر لحظہ اپنے باطن میں نور حق کی تابانی کا آرزو مند ہوتا ہے اسے عارف کہتے ہیں۔'' اور ابن سینا کے نزدیک عارف ہی صوفی کہلانے کا مستحق ہے۔

زاہد اور عابد، زہد و عبادت کو اس لئے اختیار کرتے ہیں کہ انہیں دوزخ سے نجات ملے اور نعیم جنت کی سرمدی مسرتیں انہیں نصیب ہوں۔ صوفی بھی دنیا کی زینتوں اور لذتوں سے دامن کش رہتا ہے اور ہمہ وقت مصروف عبادت رہتا ہے، لیکن اس کے پیش نظر کوئی خوف یا طمع نہیں ہوتا وہ فقط اس لئے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے کہ وہ اس کا محبوب و مطلوب ہے اور ہر قسم کی عبادت و نیاز مندی کا مستحق ہے۔

حضرت رابعہ بصریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ ارشاد اس حقیقت کو واضح کرنے کے لئے کافی ہے۔ ایک روز انہوں نے بارگاہ الٰہی میں یوں عرض کیا:

اللھم ان کنت اعبدک خوفامن نارک فالقنی فیھا

اے اللہ! اگر میں تیری عبادت آتشِ دوزخ کے خوف سے کرتی ہوں تو مجھے اس میں جھونک دے۔

وان کنت اعبدک طمعافی جنتک فاحرمنیھا

اور اگر میں جنت کے لالچ کے لئے تیری جناب میں سربسجود رہتی ہوں تو مجھے اس جنت سے محروم کردے۔

وان کنت اعبدک لو جھک الکریم فلاتحرمنی من رویته

اور اگر میں صرف تیری ذات کے لئے تیری عبادت کرتی ہوں تو اے میرے محبوب مجھے اپنے شرف دیدار سے محروم نہ رکھیو"۔

معلوم ہوا کہ تصوف نہ صرف اخلاق حسنہ کا نام ہے، نہ صرف دنیا کی لذتوں اور مسرتوں سے کنارہ کشی کا نام ہے اور نہ صرف شب و روز مصروف عبادت رہنے کا نام ہے، اگر چہ وہ ان تمام چیزوں کو شامل ہے لیکن وہ ان کے ماسوا کوئی اور چیز ہے۔

اس لئے ابھی ہمیں تصوف کی ایسی تعریف کی ضرورت ہے جس سے اس کی حقیقت تک رسائی حاصل ہو جائے۔

ابوسعید الخراز رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۲۶۸ھ) سے "صوفی" کے بارے میں پوچھا گیا۔ آپ نے فرمایا۔

من صفی ربه قلبه فامتلا قلبه نور اومن دخل فی عین اللذة بذکر الله.

ترجمہ: یعنی جس کے دل کو اس کا رب پاک صاف کر دے اور اس کا دل نور الٰہی سے لبریز ہو جائے اور جو شخص ذکر الٰہی شروع کرتے ہی لذت و سرور میں کھو جائے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ تصوف کی تعریف ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

التصوف: هو ان یمیتک الحق عنک ویحییک به.

"یعنی تصوف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے تیری ذات سے فنا کر دے اور اپنی ذات کے ساتھ تجھے زندہ کر دے۔"

ابوبکر الکتانی کی تعریف ایجاز اور جامعیت کا شاہکار ہے، وہ فرماتے ہیں:

التصوف: صفاء ومشاهدة

تصوف صفاء یعنی تزکیہ اور مشاہدہ کا نام ہے۔

ان دو میں سے پہلی بات (صفاء) سبب ہے اور دوسری بات (المشاہدہ) غایت اور مدعا ہے۔ یہ تعریف بڑی جامع ہے۔ اس میں سالک کی منزل کا بھی ذکر ہے اور اس راستہ کا بھی جو سالک کو اس منزل تک لے جاتا ہے۔

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء العلوم میں اس حقیقت کو ذرا تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ لکھتے ہیں۔

الطريق: تقديم المجاهدة و محو الصفات المذمومة وقطع العلائق كلها والاقبال بكنه الهمة على الله تعالىٰ ومهما حصل ذلک كان الله المتولى لقلب عبده المتكفل له بتنويره بانوار العلم.

ترجمہ: اس منزل کا راستہ یہ ہے کہ پہلے مجاہدہ کرے۔ صفات مذمومہ کو مٹائے۔ تمام تعلقات کو توڑ ڈالے اور پوری طرح اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف متوجہ ہو جائے۔ جب یہ سعادت حاصل ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے دل کا متولی بن جاتا ہے اور علم کے انوار سے اس کو منور کرنے کا ذمہ دار بن جاتا ہے۔

یہ ہے تصوف کا وہ مفہوم جس کو اولیاء اللہ اپنا مقصد حیات بناتے ہیں۔ ان کی ساری زندگی صفا اور تزکیہ کے کٹھن مرحلوں کو صدق دل سے طے کرنے کے لئے وقف رہتی ہے تاکہ آخرکار وہ مشاہدہ کی منزل میں خیمہ زن ہونے کی سعادت حاصل کریں۔

اس طرح وہ انسانیت کے اس مقام رفیع کو پا لیتے ہیں جہاں "نفخت فیہ من روحی" کا سر نہاں عیاں ہوتا ہے اور وہ خلیفہ فی الارض کی مسند جلیل پر متمکن ہوتا ہے۔

اس تصوف پر جس کے لغوی اور اصطلاحی مفہوم کی تشریح آپ ابھی پڑھ چکے ہیں گزشتہ زمانہ میں بھی اور آج بھی، اپنوں نے بھی اور بیگانوں نے بھی، بدنیتی سے یا غلط فہمی کے باعث بڑی بے رحمی سے طعن و تشنیع کے تیروں کا مینہ برسایا ہے۔ اور آج اس تحریک میں مزید شدت پیدا ہوتی جا رہی ہے۔ یہاں تک کہ عدل و تحقیق کا دامن بھی بسا اوقات ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے۔ اس حالیہ شدت کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ مادی لذتوں کی طرف رجحان روز بروز بڑھتا جا رہا ہے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جو لوگ تصوف کے علمبردار بنے بیٹھے ہیں ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو باعث رسوائی اسلاف ہیں یا اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے آثار کو دیکھ کر ابلیسی قوتیں ہراساں ہیں اور وہ مسلمانوں کو اس چشمۂ حیات سے بدظن اور متنفر کرنے کا قبل از وقت پروگرام بنا رہی ہیں تا کہ مسلمان اس بیداری سے پوری طرح فائدہ اٹھانے کے قابل نہ رہیں۔ وجہ کچھ بھی ہو، ہمیں حقیقت پسندی سے کام لیتے ہوئے ان اعتراضات کا جائزہ لینا چاہئے۔ انہوں نے اگر کسی واقعی خامی کی نشاندہی کی ہے تو اس کے ازالہ کی طرف متوجہ ہونا چاہئے اور اگر انہوں نے غلط اعتراضات کئے ہیں تو ان کا مسکت جواب دینا چاہئے۔

ایک بات میں ابتداء ہی میں صاف طور پر کہہ دینا چاہتا ہوں کہ ہمیں اس سے انکار نہیں کہ صوفیاء کی صفوں میں ایسے لوگ بھی در آئے ہیں جو بظاہر عابد و زاہد نظر آتے ہیں لیکن دراصل اپنے زہد و عبادت کو حصول مال و جاہ کا ذریعہ بنائے ہوئے ہیں لیکن مجھے یہ تو بتائیے انسانی زندگی کا کون سا شعبہ ایسا ہے جہاں یہ کالی بھیڑیں موجود

نہیں۔ علماء، اطباء، قضاۃ، تجار، صنعت کار، سب جگہوں پر ایسے لوگ موجود ہیں جو اپنے طبقہ کے لئے ننگ و عار کا باعث ہیں۔ لیکن اگر ان کے وجود سے صحیح اور راستباز لوگوں کی افادیت کم نہیں ہوئی تو جعلی صوفیوں کے ہتھکنڈوں سے بھی صوفیاء کرام کی عظمت پر حرف نہیں آ سکتا، ہم جن صوفیاء کے بارے میں کلام کریں گے وہ وہ لوگ ہیں جو صحیح معنوں میں اس لقب کے اہل ہیں۔

پہلا اعتراض

تصوف پر سب سے بڑا اعتراض یہ کیا جاتا رہا ہے اور اب بھی کیا جا رہا ہے کہ اس کا ماخذ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ نہیں، بلکہ یہ ایک اجنبی چیز ہے جسے اسلام میں زبردستی ٹھونس دیا گیا ہے۔ لیکن جب ان معترضین سے اس اجنبی مصدر اور منبع کے بارے میں استفسار کیا جاتا ہے تو بھانت بھانت کی بولیاں سننے میں آتی ہیں اور انسان تصویر حیرت بن کر رہ جاتا ہے کہ تصوف کے کس معترض کی بات کو وقیع اور وزنی سمجھا جائے اور کسے لایعنی سمجھ کر نظر انداز کر دیا جائے۔ ان معترضین کا باہمی اختلاف اور کسی ایک منبع پر متحد نہ ہونا ہی ان کے اس قول کے بطلان کے لئے کافی ہے۔ لیکن پھر بھی ہم تمام اقوال کا ایک ایک کر کے ذکر کرتے ہیں، اور اس کا علمی تجزیہ قارئین کرام کی خدمت میں پیش کرتے ہیں، وہ خود ہی حق و باطل میں امتیاز کر لیں گے۔

معترضین کا ایک طبقہ جس میں مستشرقین کے جید علماء بھی شامل ہیں، یہ کہتا ہے کہ تصوف کا ماخذ ہندوؤں کے وید ہیں وہ بڑے وثوق سے دعویٰ کرتا ہے کہ تصوف میں چلہ کشی، ریاضت وغیرہ کے سارے طریقے ہندو جوگیوں اور سادھوؤں سے مستعار لئے گئے ہیں۔ اس طبقہ کا سرخیل بارٹن (Horton) بلوشیٹ

(Blochet) اور میسی نان (Massignon) ہیں۔ یہ لوگ بڑی بڑی کتابوں کے مصنف ہیں اور بڑے محقق اور مدقق شمار ہوتے ہیں۔ معلوم نہیں ان صاحبان کو اس بے مقصد تکلف کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی۔ کیا انہیں معلوم نہیں کہ مسلمان صوفیاء کے ہادی اور راہبر نبی کریم ﷺ نے غار حرا میں چلہ کشی کی تھی۔ اور ذکر الٰہی پر مداومت کے متعدد احکام قرآن کریم اور احادیث نبوی میں بصراحت موجود ہیں اور یہ سب اس وقت ان کو میسر تھا جبکہ ہندوؤں کی تہذیب وتمدن کے بارے میں جزیرۂ عرب کے باشندون کو سطحی قسم کی معلومات بھی میسر نہ تھیں۔ اس لئے صوفیاء کرام کی ریاضتوں اور چلہ کشیوں کو ہندو جوگیوں کی طرف منسوب کرنا لغویت کی انتہا ہے۔ مزید برآں دونوں ریاضتوں کے مقاصد میں بعد المشرقین ہے۔

دوسرا طبقہ ان معترضین کا ہے جو مسلمانوں کے زہد وتبتل کو بدھ مت سے ماخوذ سمجھتے تھے۔ گولڈزیہر (Goldziher) اور اولیری (O'Leary) کے پایہ کے مستشرق بھی یہ کہتے ہوئے نہیں تھکتے کہ صوفیاء کا دنیا سے قطع تعلق درحقیقت گوتم بدھ کی تقلید ہے۔ جس طرح اس نے تخت وتاج کو ترک کر کے فقر وفاقہ کی زندگی اختیار کر لی تھی اسی طرح معلمان صوفیاء نے بھی اپنے گھروں کے راحت وآرام کو ترک کر کے جنگلوں اور پہاڑوں کے غاروں میں آ کر بسیرا کیا۔ لیکن اتنا بڑا الزام لگانے سے پہلے ان حضرات نے یہ غور کرنے کی زحمت برداشت نہیں کی کہ گوتم بدھ خدا کے وجود کا منکر ہے۔ وہ نفس انسانی ہی کو سب کچھ خیال کرتا ہے۔ اس کے برعکس مسلمان اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی وحدانیت پر پختہ ایمان رکھتے ہیں اور یہ ریاضتیں مقصود بالذات نہیں، بلکہ بارگاہ الٰہی میں شرف باریابی حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہیں۔

بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ اسلام کا تصوف دراصل ایرانی تصوف کا آئینہ دار ہے۔ عرب ہر لحاظ سے ایران سے فروتر تھے۔ انہوں نے ان سے ہی سب کچھ لیا ہے، ایرانیوں کو دینے کے لئے ان کے پاس کوئی چیز نہ تھی۔ اگر یہ لوگ اسلام سے پہلے کی بات کہہ رہے ہیں تو ہم اسے تسلیم کر لیتے ہیں، لیکن ہم اس زمانہ سے کوئی سروکار نہیں رکھتے، ہماری بحث اس تصوف سے ہے جو آفتاب اسلام کے طلوع ہونے کے بعد رونما ہوا۔ جب قرآن کریم کے فیضان سے عرب مسلمانوں کی جھولیاں علم و حکمت کے جواہرات سے بھر گئیں تو وہ اپنے گھروں سے نکل کر دنیا کے گوشہ گوشہ میں پہنچے اور بڑی دریا دلی اور فیاضی سے انہوں نے ان جواہرات کو لٹایا۔ تاریخ کا ایک ادنیٰ طالب علم یہ کہنے کی جسارت نہیں کر سکتا کہ اہل فارس نے عرب مسلمانوں کو دینی، تہذیبی اور علمی اعتبار سے متاثر کیا، بلکہ یہ وہ عرب تھے جنہوں نے اپنے ظاہری فتوحات کے جھنڈے گاڑنے کے بعد اہل ایران کے عقائد، نظریات و افکار اور تہذیب وتمدن کو یکسر بدل کر رکھ دیا۔ جب اسلام کی برکت سے اہل فارس آتش پرستی چھوڑ کر خداوند واحد یکتا کے پرستار بن گئے۔ باقی اور کیا چیز تھی جس کیلئے مسلمان صوفی ان کے شکست خوردہ افکار سے دریوزہ گری کرتے۔ پروفیسر براؤن کا یہ کہنا سراسر خلاف حقیقت ہے کہ ایرانی افکار نے عربوں کو متاثر کیا اور اسی سے ان کا تصوف ماخوذ ہے۔ اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ بہر حال اگر کہیں کچھ مشابہت پائی بھی جاتی ہے تو اس سے ہر گز یہ لازم نہیں آتا کہ اسلامی تصوف اہل فارس کے نظریات سے ماخوذ اور مستعار ہے۔ اسلام کا تصوف صرف اسلام سے ماخوذ ہے اور وہ ہر اعتبار سے ایک الگ اور جداگانہ چیز ہے۔

معترضین کے ایک گروہ کا یہ خیال ہے کہ اسلام کے تصوف پر نصرانی تصوف کا بہت بڑا اور گہرا اثر ہے۔ اس دعویٰ کی تائید کے لئے وہ یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ عربوں اور عیسائیوں میں عہد قدیم سے باہمی روابط تھے۔ عرب ایک غیر متمدن اور جاہل قوم تھے جب کہ عیسائی دنیا علم وحکمت کے نور سے جگمگا رہی تھی۔ اس لئے لازمی طور پر مسلمان صوفیوں نے عیسائی راہبوں سے تصوف سیکھا اور اس کو اپنایا۔ ہم عرض کرتے ہیں کہ اسلام کی آمد سے پہلے کے بارے میں آپ کا یہ نظریہ درست ہوسکتا ہے، لیکن ہم اس زمانہ کی بات کررہے ہیں جب کہ عرب کے ظلمت کدہ کو وحی الٰہی کے نور تابوں نے رشک صد طور بنا دیا تھا۔ اور ان ابجد ناشناسوں کو نہاں خانہ تقدیر کے اسرار و رموز سے آشنا کر دیا تھا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے خود اپنے ماننے والوں کو دنیا کی لذتوں میں کھو جانے سے سختی کے ساتھ روکا تھا۔ قرآن کریم کی صدہا آیات ایسی ہیں جو مسلمانوں کو زہد و تقویٰ کی تلقین کرتی ہیں اور دنیا کی بے ثباتی کا نقش لوح قلب پر ثبت کرتی ہیں۔ سورۃ الحدید کی ایک آیت ملاحظہ ہو:

اعملوا انما الحیوۃ الدنیا لعب ولهو وزینة وتفاخر بینکم وتکاثر فی الاموال والاولاد کمثل غیث اعجب الکفار نباته ثم یهیج فتراه مصفرا ثم یکون حطاما وفی الآخرة عذاب شدید و مغفرة من الله ورضوان وما الحیوۃ الدنیا الامتاع الغرور (آیت: ۲۰)

ترجمہ: ”تم خوب جان لو کہ دنیوی زندگی محض لہو ولعب، زینت اور ایک دوسرے پر اترانے اور مال و اولاد میں زیادتی پر فخر کرنے کا نام ہے۔ جیسے مینہ ہے کہ

اس کی پیداوار کاشت کاروں کو اچھی معلوم ہوتی ہے۔ پھر وہ خشک ہو جاتی ہے، سوتو اس کو زرد دیکھتا ہے، پھر وہ چُورا چُورا ہو جاتی ہے اور آخرت میں عذاب شدید ہے۔ اور خدا کی طرف سے مغفرت اور رضا مندی بہت بہتر چیز ہے اور نہیں ہے دنیا مگر دھوکے کا سامان''۔

اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث بھی سماعت فرمایئے:

ان مما اخاف علیکم من بعدی مایفتح علیکم من زھرۃ الدنیا و زینتھا. (بخاری۔ مسلم)

ترجمہ: ''اپنے بعد میں تم سے جس چیز کے بارے میں ڈرتا ہوں وہ یہ ہے کہ دنیا کی زینت اور کامیابی کے دروازے تم پر کھول دیئے جائیں گے۔''

خود سوچئے کہ جس قوم کے پاس ان کی کتاب مقدس میں زہد و پرہیز گاری کے اتنے مؤثر مواعظ موجود ہوں انہیں ان پریشان حال راہبوں کی تقلید کی کیا ضرورت ہے، جو خود بے یقینی کی موجوں کے تھپیڑے کھا رہے ہیں۔ اسی طرح عبادت الٰہی کی تلقین و ترغیب میں قرآن کریم کی بے شمار آیات موجود ہیں، ان کے ہوتے ہوئے کسی اور واعظ کی ایک مومن کو کیوں ضرورت محسوس ہوگی۔ ارشاد ربانی ہے:

واذکر ربک فی نفسک تضرعا و خیفة دون الجھر من القول بالغدو والاصال ولا تکن من الغافلین .

(الاعراف:۲۰۵)

ترجمہ: اپنے رب کو یاد کیا کرو، اپنے دل میں عاجزی اور خوف کے ساتھ زور کی آواز کی نسبت کم آواز کے ساتھ صبح اور شام غافلوں میں سے مت ہو جانا۔''

دوسری جگہ ارشاد ہے:

یایھا الذین امنوا اذکروا اللہ ذکراً کثیرا وسبحوہ بکرۃ واصیلا

ترجمہ: اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ کو خوب کثرت سے یاد کیا کرو۔ اور صبح وشام ان کی تسبیح کرتے رہا کرو۔

قرآن کریم کی دوسری سورت کی یہ دل افروز اور روح افزا آیت بھی پڑھ لیجئے:

فاذکرونی اذکرکم واشکروالی ولا تکفرون (البقرۃ:۱۵۲)

ترجمہ: تم مجھے یاد کیا کرو۔ میں تمہیں یاد کیا کروں گا۔ میرا شکر ادا کرو اور ناشکری نہ کرو۔

جب ذکر الٰہی کے لئے ایسی آیات موجود ہوں تو ان کے ہوتے ہوئے کسی مسلمان کا کسی غیر کی طرف متوجہ ہونا کم از کم ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔

مستشرقین جن کے غول کے غول اسلامی تصوف کو غیر اسلامی ثابت کرنے کے جنون میں جگہ جگہ ٹامک ٹوئیاں مارتے ہوئے نظر آتے ہیں ان میں چند ایسی شخصیتیں بھی ہیں جنہوں نے پہلے تو اپنے پیشروؤں کی تقلید کرتے ہوئے اسلامی تصوف کو غیر اسلامی افکار کا نتیجہ کہا لیکن مزید تحقیق کے بعد جب حقیقت ان کے سامنے واشگاف ہوگئی تو انہوں نے بڑی جرات سے اپنے سابق افکار ونظریات سے رجوع کیا۔ یہی نکلسن جو پہلے تصوف کو عیسائیت کا عطیہ کہتے رہے بعد میں ''انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ اتھکس'' میں تصوف کے موضوع پر اظہار خیال کرتے ہوئے اعتراف کرتے ہیں کہ آج تک اسلامی تصوف کے آغاز اور نشو ونما کے بارے میں غلط اندازے لگائے گئے ہیں۔ یہ کہنا کہ تصوف اسلام میں باہر سے آیا

قطعاً قابل تسلیم نہیں۔ بلکہ روز اول ہی سے مسلمانوں میں ایک ایسا گروہ تھا جو تلاوت قرآن اور مطالعہ حدیث میں مشغول رہتا تھا اور ان کے تمام افکار و نظریات کا منبع قرآن وسنت کے بغیر کچھ بھی نہیں تھا۔

اکابر صوفیاء نے اپنی مستند کتب میں اس بات کو واضح طور پر لکھ دیا ہے کہ صوفی کے لئے کتاب وسنت کے ارشادات پر عمل پیرا ہونا کامیابی کے لئے شرط اول ہے۔
حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول ہر قسم کے شک وشبہ کے بطلان کے لئے کافی ہے، فرماتے ہیں:

"ایں راہ کس یابد کہ کتاب بردست راست گرفتہ باشد و سنّت مصطفٰی ﷺ بردست چپ و در روشنائی ایں دو شمع میرود تا نہ در مغاک شبہت افتد نہ در ظلمت بدعت۔" (تذکرۃ الاولیاء شیخ عطار ص ۸)

ترجمہ: یہ راہ تو وہی شخص پاسکتا ہے جس کے دائیں ہاتھ میں قرآن پاک ہو اور بائیں ہاتھ میں سنت مصطفٰی ﷺ اور ان دونوں شمعوں کی روشنی میں وہ قدم بڑھاتا جائے تاکہ نہ شبہات کے گڑھوں میں گرے اور نہ بدعت کے اندھیروں میں پھنسے۔

شیخ ابوبکر طمستانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

الطريق واضح والكتاب والسنة قائم بين اظهرنا

راستہ کھلا ہوا ہے اور کتاب وسنت ہمارے سامنے موجود ہے۔

حضرت شاہ کلیم اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ایک خط میں لکھتے ہیں:

اے برادر! در تفاوت مراتب فقراء اگر امروز خواہی کہ دریابی بجانب

شریعت او نگاہ کن کہ شریعت معیارست۔ عیار فقیر بر شریعت روشن میگردود۔

ترجمہ: اے بھائی اگر تم فقراء کے مراتب کا پتہ آج لگانا چاہو تو ان کے اتباع شریعت پر نظر کرو۔ شریعت معیار ہے، اس کسوٹی پر فقیر کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔

صوفیاء کرام نے خود بھی کتاب و سنت پر عمل کیا اور اپنے حلقہ عقیدت میں داخل ہونے والوں کو بھی کتاب و سنت کی پیروی کی تاکید فرمائی۔ مندرجہ بالا تصریحات کے علاوہ آپ قوت القلوب، رسالہ قشیریہ، کشف المحجوب، عوارف المعارف، فوائد الفواد وغیرہ کا مطالعہ کریں۔ آپ کو ان کے ہر ہر صفحہ پر کتاب و سنت پر عمل کرنے کی تلقین ملے گی۔ اس کے باوجود اگر کوئی شخص تصوف کو شریعت کے خلاف کہتا ہے تو اس کی اپنی مرضی۔

دوسرا اعتراض

معترضین یہ بھی کہتے ہیں کہ تصوف جاہلوں اور ناخواندہ لوگوں کا مسلک ہے۔ جو لوگ زیور علم سے آراستہ ہیں اور تحقیق و تدقیق کے میدان میں ید طولیٰ رکھتے ہیں، وہ تصوف کے قریب بھی نہیں پھٹکتے۔ یہ ایک ایسا الزام ہے جو الزام لگانے والوں کی کم نظری اور لاعلمی پر دلالت کرتا ہے۔ اکابر صوفیاء اپنے اپنے زمانہ میں علم و فضل میں بھی اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے وہ اپنے ہم عصر علماء و فضلاء پر ہر لحاظ سے فوقیت رکھتے تھے بلکہ تصوف کے میدان میں قدم رکھنے سے پہلے وہ علوم و فنون میں مہارت حاصل کرنا ضروری سمجھتے تھے۔ حضرت سیدنا غوث الاعظم حضرت خواجہ معین الحق والدین اجمیری، حضرت شہاب الدین سہروردی، غوث العالمین شیخ الاسلام حضرت بہاء الحق والدین زکریا ملتانی، حضرت بہاء الدین نقشبند، حضرت مجدد الف ثانی وامثالہم قدس

اللہ اسرارھم نہ صرف اقلیم فقر و درویشی کے شہنشاہ تھے بلکہ کشورِ علم و فضل کے بھی تاجدار تھے۔کون ہے جو ان حضرات اور ان کے جلیل القدر خلفاء پر جہالت کی تہمت لگا سکے۔ ان کی تصانیف آج بھی اہل علم و تحقیق سے خراج تحسین وصول کر رہی ہیں۔حضرت فریدالدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جاہل کبھی مسخر شیطان ہو جاتا ہے اور اس کی نگاہ حقیقت اور سراب میں امتیاز کرنے سے قاصر رہتی ہے۔وہ دل کی بیماریوں کی صحیح تشخیص اور مناسب علاج نہیں کرسکتا۔

حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے:

''پیر آں چناں باید کہ در احکام شریعت و طریقت و حقیقت عالم باشد و چوں ایں چنیں باشد او خود ہیچ نامشروع نفرمائید''۔(فوائد الفواد)

ترجمہ: پیر ایسا ہونا چاہیے جو شریعت طریقت اور حقیقت کے احکام کا علم رکھتا ہو، اگر ایسا ہوگا تو وہ کسی ناجائز بات کے لئے نہ کہے گا۔''

حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ احوال بھی تھا کہ وہ کسی ایسے شخص کو خلافت عطا نہیں فرماتے تھے جو عالم نہ ہو۔حضرت یحیٰی بن معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے:

اجتنب صحبة ثلاثة اصناف من الناس العلماء الغافلين و الفقراء المداهنين و المتصوفة الجاهلين.

(كشف المحجوب)

ترجمہ: تین قسم کے آدمیوں کی صحبت سے اجتناب کیا کرو۔ایسے عالموں سے جو غافل ہوں، ایسے فقیروں سے جو دھوکے باز ہوں اور ایسے صوفیوں سے جو جاہل ہوں''۔

علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ، جو صوفیاء پر تنقید کرنے میں مشہور عالم ہیں وہ بھی یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہیں کہ:

وما كان المتقدمون فی التصوف الارؤساء فی القرآن والفقه والحدیث والتفسیر۔

ترجمہ: یعنی صوفیاء متقدمین علوم قرآن، فقہ، حدیث اور تفسیر میں امام ہوا کرتے تھے۔"

تیسرا اعتراض

صوفیاء نے عیسائی راہبوں کی طرح دنیا سے قطع تعلق کر لیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی وہ نعمتیں جو اس نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کی تھیں، ان سے وہ لطف اندوز ہونے سے دست کش ہو گئے تھے۔ حالانکہ حدیث پاک میں موجود ہے کہ:

لا رهبانية فی الاسلام۔ اسلام میں رہبانیت کے لئے کوئی گنجائش نہیں۔

بیشک صوفیاء کرام ابتداء میں ہر قسم کے علائق سے دست کش ہو کر خلوت گزیں ہو جاتے ہیں اور اچھے کھانے، اچھے پہننے، رات کو آرام کرنے وغیرہ راحتوں کو ترک کر دیتے ہیں، لیکن یہ ان کا مقصد حیات نہیں ہوتا، بلکہ وقتی طور پر وہ تزکیہ قلب اور تربیت نفس کے لئے ان مجاہدات کو اختیار کرتے ہیں۔ اور جب وہ اس مقصد میں کامیاب ہو جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نور عشق سے ان کے سینے منور ہو جاتے ہیں۔ مذموم عادات سے ان کی طبیعت پوری طرح متنفر ہو جاتی ہے اور محاسن اخلاق ان کی فطرت ثانیہ بن جاتے ہیں، تو پھر ستیزہ گاہ حیات میں اسلام کا پرچم تھامے ہوئے وہ قدم رنجہ فرماتے ہیں۔ ان کے تربیت یافتہ نفوس کے راستہ میں آلام و مصائب کی کوئی چٹان حائل نہیں ہو سکتی۔ ابلیس کی کوئی فسوں کاری ان کو متاثر نہیں کر سکتی۔ بلکہ وہ عزم و ثبات کا پیکر بن کر تسلیم و رضا کے پر خار راستہ پر خراماں خراماں گزرتے چلے جاتے ہیں۔ اور وہ شخص جو اپنی زندگی اسلام کی سربلندی کے لئے وقف کرنا چاہتا ہو اور دنیا

کے گوشے گوشے میں اس پیغام حق کو پہنچانے کے لئے میدان میں نکلنا چاہتا ہو، اس کے لئے ناگزیر ہے کہ پہلے وہ تزکیہ قلب اور تربیت نفس کے کٹھن مرحلہ کو کامیابی سے طے کر لے۔ اگر اس میں ذرا بھی خامی باقی ہوگی تو اس کی ادنیٰ سی لغزش اسلام کے وقار کو سخت نقصان پہنچانے کا باعث بنے گی۔

آج جب کہ ہم تبلیغ اسلام کے لئے تحصیل علم کو ہی کافی سمجھتے ہیں اور ریاضت و مجاہدہ کو غیر ضروری بلکہ خلاف اسلام چیز قرار دیتے ہیں، تو ہماری تبلیغ کا رنگ ہی بدل گیا ہے۔ نہ کلام میں اثر ہے، نہ وعظ و نصیحت کا کوئی نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔ اور ہماری اخلاقی کمزوریاں قدم قدم پر عیاں ہوتی ہیں اور اسلام کی تضحیک کا باعث بنتی ہیں۔ آپ یوں سمجھئے کہ کفار کے ساتھ گھمسان کی لڑائی شروع ہے۔ آپ سپاہی بھرتی کرتے ہیں۔ کیا آپ انہیں بھرتی کرنے کے بعد فوراً میدان جنگ کی طرف روانہ کریں گے یا میدان جنگ سے بہت دور ایک چھاؤنی میں بھیجیں گے جہاں وہ فوجی نظم وضبط کے علاوہ اسلحہ کے استعمال کے ڈھنگ سیکھیں گے اور جب وہ تربیت کے اس مرحلہ کو مکمل کر لیں گے، تب وہ اس قابل ہوں گے کہ انہیں میدان جنگ میں کسی محاذ پر متعین کیا جائے اگر آپ عجلت میں سپاہیوں کو فوراً جنگ میں جھونک دیں گے تو وہ دشمن کے بجائے اپنے دوستوں کو نقصان پہنچائیں گے اور کوئی بعید نہیں کہ وہ خود ہی اپنی گولی کا نشانہ بن جائیں۔

عیسائیوں کے نزدیک رہبانیت مقصد حیات ہے۔ اور ہمیشہ کے لئے دنیا سے الگ تھلگ زندگی بسر کرنے میں ہی سلامتی اور نجات سمجھتے ہیں۔ صوفیاء کرام کے ہاں اس قسم کا قطعاً کوئی تصور نہیں۔ صوفیاء کرام کی سوانح حیات کا مطالعہ کیا جائے تو روز روشن کی

طرح یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ انہوں نے دنیا کو ترک کرنے کی تلقین نہیں کی بلکہ دنیا کے بے اعتدالانہ استعمال اور اس کی محبت میں کھو جانے سے منع کیا ہے۔ انہوں نے شادیاں کیں، ان کے اہل وعیال تھے، ان کے ذاتی مکانات اور مزروعہ اراضی تھی۔ ان حقائق کی موجودگی میں ان پر رہبانیت کا الزام کیوں کر درست ہو سکتا ہے۔ اور یہ قرآن کریم کا حکم ہے اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کی ان الفاظ میں ثنا گستری فرماتا ہے:

رجال لاتلهيهم تجارة ولا بيع عن ذكر الله: یعنی یہ وہ مردان پاکباز ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے انہیں نہ تجارت غافل کر سکتی ہے اور نہ خرید وفروخت۔

حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد بھی سماعت فرمائیے:

"ترک دنیا آں نیست کہ کسے خود را برہنہ کند مثلاً لنگوتہ بہ بندد و بنشیند۔ ترک دنیا آں ست کہ لباس بپوشد، طعام بخورد و آنچہ می رسد روا بدارد و بجمع او میل نکند و خاطر را متعلق چیزے ندارد۔"

(فوائد الفواد)

ترجمہ: ترک دنیا کا یہ معنی نہیں کہ کوئی آدمی اپنے آپ کو برہنہ کرے اور لنگوٹہ باندھ کر بیٹھ جائے بلکہ ہمارے نزدیک ترک دنیا یہ ہے کہ لباس بھی پہنے، کھانا بھی کھائے اور حلال کی جو چیز دستیاب ہو اسے استعمال بھی کرے۔ لیکن دولت کو جمع کرنے کی خاطر راغب نہ ہو اور دل میں اس کو جگہ نہ دے۔"

چوتھا اعتراض

یہ اعتراض بڑے زور شور سے تصوف اور صوفیاء پر کیا جاتا ہے اور اس زمانہ میں تو اس اعتراض نے بڑی اہمیت اختیار کر لی ہے اور ہر شخص جو چند سطریں لکھنے کی

صلاحیت حاصل کر لیتا ہے، وہ اہل حق پر یہ اعتراض کرنا اپنا فرض منصبی سمجھتا ہے۔ آیئے پہلے معترضین کی بات سنیں اوراس کے بعد حقیقت کی کسوٹی پر اسے پرکھیں۔

معترضین حضرات کہتے ہیں کہ تصوف ایک افیون ہے اور صوفیاء نے ملت کے قوائے عمل کو مضمحل بلکہ مفلوج کر کے رکھ دیا ہے۔ ان کو اس بات پر اصرار ہے کہ ملت کو چاہئے کہ تصوف کی بنائی ہوئی ان روپہلی اور سنہری زنجیروں سے اپنے آپ کو رہا کرائیں اور تصوف کی پیدا کردہ خواب آلود فضا سے نکل کر حقائق کی تلخیوں سے دو چار ہونے کے لئے تیار ہو جائیں۔

بات یہی ہے لیکن معترضین نے اسے نئے نئے جاذب قلب ونظر اسالیب میں بیان کر کے بڑی رنگ آمیزیاں کی ہیں۔

ہم بڑی ذمہ داری اور وثوق کے ساتھ یہ کہتے ہیں کہ یہ الزام سراسر غلط اور بے بنیاد ہے۔ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ ان بزرگوں نے ملت کے عروق مردہ میں ہمیشہ نئی روح پھونکی ہے۔ ان کی فیض نگاہ سے حوصلوں میں بلندی، عزائم میں پختگی، ولولوں میں جولانی اور قوت عمل میں برق آسا سرعت اور چمک پیدا ہوتی ہے۔ آپ ذرا تعصب کی پٹی اتار دیجئے اور تبلیغ اسلام کی تحریک کے جوانمرد علمبرداروں کے نقوش پا کو دیکھتے ہوئے ان میدانوں تک پہنچنے کی کوشش کیجئے جہاں حق نے باطل پر ابدی فتح حاصل کی۔ برصغیر پاک و ہند پر ذرا سرسری نظر ڈالئے۔ سجستان کا ایک درویش تبلیغ اسلام کے جذبہ سے سرشار ہو کر اپنے وطن کو چھوڑتا ہے، اپنے اقارب واحباب کو الوداع کہتا ہے۔ اپنی منقولہ اور غیر منقولہ املاک سے دست کش ہوتا ہے اور تنہا بتکدۂ ہند کا رخ کرتا ہے۔ یہاں بھی کئی ایسے گوشے تھے جہاں

اسلام نے اپنے قدم جمالئے تھے، لیکن اس کے حوصلہ کی بلندی اور اس کے عزائم کی پختگی اور اس کے جوش کی جولانی اسے راجپوتانہ کے اس علاقہ میں لے جاتی ہے جہاں کفر کی کالی رات چھائی ہوئی ہے۔ ایک آمر مطلق راجہ وہاں کا حکمران ہے، وہ ظالم راجہ کی اس ریاست کے کسی دور افتادہ گوشہ کو اپنا مسکن نہیں بناتا، بلکہ اس کی راجدھانی میں جا کر اپنا مصلیٰ بچھا دیتا ہے۔ ساری آبادی بت پرست ہے اور اپنے ان مشرکانہ عقائد میں حد درجہ غلو رکھتی ہے۔ وہ اپنے ان معبودوں کے خلاف کوئی بات سننا گوارا تک نہیں کر سکتی۔ جگہ جگہ مندر موجود ہیں۔ بڑے بڑے برہمن ان لوگوں کے عقائد اور نظریات کی حفاظت کے لئے ہر قسم کے علوم وفنون سے مسلح ہیں۔ مسند حکومت پر پرتھوی راج جیسا جابر، ظالم اور متعصب ہندو راجہ براجمان ہے۔ اس ناسازگار ماحول میں جو شخص حق کی دعوت دیتا ہے اور ہر قسم کے خطرات کے سامنے سینہ سپر ہوتا ہے، اور پھر اسلام کے پرچم کو یوں لہراتا ہے کہ اسے صدیوں کے انقلابات بھی سرنگوں نہیں کر سکتے۔ وہ شخص کون ہے؟ وہ ایک صوفی ہے۔ تصوف کے رنگ میں اس کا ظاہر اور باطن، اس کا ذہن، اس کا دل، اس کی سوچ اور اس کا نطق سب رنگے ہوئے ہیں۔ کیا ایسے شخص کے بارے میں آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس کی تعلیمات قوائے عمل کو مفلوج کر دینے والی ہیں۔ وہ رزمگاہ حیات سے فرار کا راستہ بتاتا ہے۔ اگر آپ میں یہ جرات ہے تو آپ کہئے اور کہتے رہئے۔ لیکن آپ کے غل مچانے سے حقیقت مسخ نہیں ہو سکتی۔ اس کی خانقاہ کے فیض یافتہ صوفی ہندوستان کے شرق وغرب میں پھیل جاتے ہیں اور کفر وشرک کا اندھیرا جو صدیوں سے یہاں خیمہ زن تھا اس کو اپنے نعرۂ قلندرانہ سے نیست و نابود کر کے رکھ دیتے ہیں۔ کاش اس قسم

کے نفوس قدسیہ ملت کو ہمیشہ نصیب ہوتے!

شائد معترضین کے علم میں نہ ہو کہ جب چنگیزی طوفان نے دنیائے اسلام کو تہ و بالا کر کے رکھ دیا تھا۔ ہزاروں آباد شہر ویران کر دیئے گئے تھے۔ لاکھوں بے گناہوں کو تہ تیغ کر دیا گیا تھا۔ عروس البلاد بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی تھی۔ عقل و دانش کے پرستار اسلام کے مستقبل سے مایوس ہو گئے تھے۔ معلوم ہے آپ کو کہ کس نے ان سرکش طوفانوں کا رخ موڑا تھا، کس نے اسلام کے دشمنوں کو اسلام کی شمع کا پروانہ بنا دیا تھا۔ وہ انہی صوفیاء کے گروہ کا فرد تھا جس کی ایک نظر نے ساری فضا کو بدل کر رکھ دیا تھا۔ ایک خراسانی بزرگ جو سلسلہ عالیہ قادریہ سے نسبت رکھتے تھے اشارۂ غیبی کے تحت ہلاکو خان کے بیٹے تگودار خان کو دعوت اسلام دینے کے لئے تشریف لائے۔ وہ شکار سے واپس آ رہا تھا۔ اپنے محل کے دروازے پر ایک درویش کو دیکھ کر اس نے ازراہ تمسخر پوچھا: ''اے درویش! تمہاری داڑھی کے بال اچھے ہیں یا میرے کتے کی دم؟'' اس بیہودہ سوال پر آپ قطعاً برہم نہ ہوئے۔ بڑے تحمل سے فرمایا: ''اگر میں اپنی جاں نثاری اور وفاداری سے اپنے مالک کی خوشنودی حاصل کر لوں تو میری داڑھی کے بال اچھے ہیں ورنہ آپ کے کتے کی دم اچھی ہے جو آپ کی فرمانبرداری کرتا ہے اور آپ کے لئے شکار کی خدمت انجام دیتا ہے۔ تگودار خان، اس غیر متوقع جواب سے بہت متاثر ہوا اور آپ کو مہمان کی حیثیت سے اپنے پاس ٹھہرایا اور آپ کی تبلیغ سے اس نے در پردہ اسلام قبول کر لیا، لیکن اپنی قوم کی مخالفت کے خوف سے اس کا اظہار نہ کیا۔ انہیں یہ کہہ کر رخصت کیا کہ سردست آپ تشریف لے جائیں، میں اپنی قوم کو ذہنی طور پر اسلام قبول کرنے پر آمادہ کروں گا۔ چنانچہ آپ

وطن واپس آ گئے۔ کچھ عرصہ بعد آپ کا انتقال ہو گیا۔ وفات سے پہلے اپنے بیٹے کو وصیت کی کہ تگودار خان کے پاس جائے اور اسے اپنا وعدہ یاد دلائے۔ کچھ عرصہ بعد وہ تگودار خان کے پاس پہنچے، اس سے اپنا تعارف کرایا اور اپنے آنے کی وجہ بتائی۔ اس نے کہا کہ دوسرے تمام سردار اسلام قبول کرنے پر آمادہ ہیں، لیکن فلاں سردار ابھی اسلام قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔ اگر وہ راہ راست پر آ جائے تو یہ مشکل آسان ہو سکتی ہے۔ آپ نے اسے بلا بھیجا اور تبلیغ کی۔ اس نے کہا میری ساری عمر میدان جنگ میں گزری ہے۔ میں علمی دلائل کو نہیں سمجھ سکتا۔ میرا ایک ہی مطالبہ ہے کہ یہ درویش میرے پہلوان سے مقابلہ کرے۔ اگر اسے بچھاڑ دے تو میں مسلمان ہو جاؤں گا۔ تگودار خان نے آپ کا نحیف و لاغر جسم دیکھ کر اس مطالبہ کو مسترد کرنا چاہا، لیکن آپ نے اس کا چیلنج منظور کر لیا۔ مقابلہ کے لئے تاریخ اور جگہ کا تعین ہو گیا۔ مقررہ دن بے شمار مخلوقات یہ عجیب و غریب دنگل دیکھنے کے لئے جمع ہو گئی۔ ایک طرف نحیف و کمزور پیر فرتوت اور دوسری طرف ایک پیل تن گرانڈیل نوجوان۔ تگودار خان نے بڑی کوشش کی کہ یہ مقابلہ نہ ہو لیکن وہ درویش مقابلہ کرنے کے لئے مصر تھا۔ جب دونوں پہلوان اکھاڑے میں نکلے تو آپ نے اس زور سے اپنے حریف کو ایک طمانچہ مارا کہ اس کا سر پھٹ گیا۔ وہ غش کھا کر زمین پر آ گرا۔ وہ سردار حسب وعدہ میدان میں نکل آیا۔ آپ کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔ تگودار خان نے بھی اپنے ایمان کا اظہار کر کے اپنا نام احمد رکھا۔

ہلاکو خان کا ایک چچازاد بھائی تھا جس کا نام برکہ تھا۔ اسے بھی حضرت شیخ شمس الدین باخوری رحمۃ اللہ علیہ نے مشرف باسلام کیا۔ اس طرح ان پاک نہاد

صوفیاء کی جراتِ ایمانی اور دلآویز اسلوب تبلیغ کے طفیل پاسبان مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے۔ فتح قسطنطنیہ، اسلامی فتوحات کی تاریخ کا ایک لافانی واقعہ ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ بائیس سالہ سلطان محمد کو کس نے اس کٹھن مہم کو سر کرنے کے لئے برانگیختہ کیا۔ وہ ایک صوفی تھے (حضرت عاق شمس الدین) جو سلطان محمد کے مرشد طریقت تھے۔ انہیں کی ترغیب اور بشارت سے سلطان نے یہ بے نظیر کارنامہ انجام دیا۔

جن صوفیا کی مساعی جمیلہ کے صدقے دنیا میں اسلام پھیلا، قلعے اور شہر فتح ہوئے قوموں اور ملکوں کے مقدر سنور گئے۔ ان کے بارے میں اسی ملت کے افراد اگر یہ کہیں کہ تصوف ایک افیون ہے، یہ غور و فکر کی قوتوں کو شل کر دیتا ہے، قوائے عمل کو اپاہج بنا دیتا ہے، تو اس زیادتی پر کس سے شکوہ کیا جائے؟

آیئے بیگانوں سے پوچھئے کہ وہ صوفیاء کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

''یورپ کے مستشرق جب اسلامی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو انہیں یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ مسلمانوں کا سیاسی زوال کبھی ان کے دینی نظام کو تباہ نہ کر سکا بلکہ بقول پروفیسر ہتی (HITTI) اکثر ایسا ہوا کہ سیاسی اسلام کے تاریک ترین لمحات میں مذہبی اسلام نے بعض نہایت شاندار کامیابیاں حاصل کیں۔ ہالینڈ کے ایک فاضل ''لوکے گارڈ'' نے دبے انداز میں اس بات پر استعجاب کا اظہار کیا ہے کہ گو اسلام کا سیاسی زوال تو بارہا ہوا، لیکن روحانی اسلام میں ترقی کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہا۔

(تاریخ مشائخ چشت ص ۹)

پروفیسر موصوف نے ایک مشہور مستشرق ایچ اے آر گب (GIBB) کی

ایک تقریر کا حوالہ بھی دیا ہے جو انہوں نے آکسفورڈ یونیورسٹی کی مجلس کے سامنے کی تھی۔ گب نے کہا:

''تاریخ اسلام میں بارہا ایسے مواقع آئے ہیں کہ اسلام کے کلچر کا شدت سے مقابلہ کیا گیا، لیکن بایں ہمہ وہ مغلوب نہ ہوسکا۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ تصوف یا صوفیا کا انداز فکر فوراً اس کی مدد کو آجاتا تھا۔ اور اس کو اتنی قوت اور توانائی بخش دیتا تھا کہ کوئی طاقت اس کا مقابلہ نہ کرسکتی تھی۔''

اسلام کے مخالف اور بدخواہ تو اس طوفانی قوت کا اندازہ کرکے لرزہ براندام ہیں جو تصوف کے چشمہ شیریں سے ملت کو حاصل ہوتی ہے۔ ادھر ہم ہیں کہ احساس کمتری میں مبتلا ہیں اور شکوک وشبہات کے خس وخاشاک سے اس چشمہ صافی کو گدلا کرنے کے درپے ہیں۔

تحریک پاکستان میں صوفیاء کرام نے جو شاندار کردار انجام دیا ہے یہ تو کل کی بات ہے۔ اس کا کون انکار کرسکتا ہے۔

عصر حاضر مادیت گزیدہ ہے۔ ہر شخص مادی ثروت، مادی لذتوں اور مسرتوں اور مادی جاہ ومنصب کے حصول کے لئے دیوانہ وار مصروف عمل ہے۔ اس دور میں اسے اس کی قطعاً کوئی پرواہ نہیں کہ پاکیزہ اخلاقی قدریں کس طرح پامال ہورہی ہیں۔ روحانیت کا رخ زیبا کیونکر مسخ ہورہا ہے اور دل کی دنیا طمع وحرص اور حسد وبغض کی آلائشوں سے کس قدر متعفن ہورہی ہے۔ اگر یہ دیوانگی ہمیں کسی اچھے انجام سے دوچار کردیتی ہے تو ہم قطعاً اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند نہ کرتے، لیکن ہم کھلی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ ہم بڑی سرعت سے زوال وانحطاط کے گڑھے کے

قریب ہوتے جارہے ہیں۔ اور یہ ایسا گڑھا ہے جس میں جو قوم گری ہے پھر اسے ابھرنا نصیب نہیں ہوا۔ ملت کے بہی خواہوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنی جملہ علمی، روحانی اور عملی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر اپنی ملت کو اس گڑھے میں گرنے سے بچائیں۔ اس کا مؤثر ترین طریقہ یہ ہے کہ ان پاکیزہ فطرت ہستیوں کی زندگی کا مرقع زیبا پیش کریں۔ جہاں للّٰہیت، خلوص، قناعت، استغناء، عالی حوصلگی، جرأت، سخاوت اور ہر انسان سے بے پناہ ہمدردی کے انوار قلب ونظر کو روشنی بخش رہے ہوں۔ اور یہ ساری خوبیاں اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ صوفیاء کرام کی سوانح حیات میں ہی دستیاب ہو سکتی ہیں۔

اسی فرض کی ادائیگی کے احساس نے مجھے مجبور کیا ہے کہ اپنے نوجوانوں کی خدمت میں اس یگانہ روزگار درویش، اس فقید المثال مردحق، سراپا نور وضیاء مرشد وہادی کی سیرت طیبہ کے چند دلنواز پہلو پیش کر کے ان وارفتگان حسن غیر کو یہ کہہ کر جھنجھوڑ سکوں ۔

اے تماشا گاہ عالم روئے تو
تو کجا بہر تماشا می روی

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے حالات زندگی

حضرت کا اسم گرامی علی ہے اور آپ کی کنیت ابوالحسن ہے۔ آپ کی ولادت باسعادت افغانستان کے ایک مردم خیز خطہ غزنی میں ہوئی جو غازی سلطان محمود بت شکن کا وطن ہے۔ غزنی کے دو محلے تھے۔ ایک کا نام جلاب اور دوسرے کا نام ہجویر تھا۔ کہتے ہیں کہ ایک محلّہ میں آپ کے ددھال اور دوسرے محلّہ میں آپ کے ننھال

سکونت پذیر تھے۔ آپ کی ابتدائی زندگی کا کچھ عرصہ محلّہ جلاب میں بسر ہوا اور کچھ عرصہ محلّہ ہجویر میں سکونت رہی۔ اسی لئے آپ کے اسم گرامی کے ساتھ یہ دونوں نسبتیں مذکور ہوتی ہیں۔ کشف المحجوب میں آپ نے خود اپنا اسم مبارک یوں رقم فرمایا ہے: علی بن عثمان بن علی الجلابی الغزنوی ثم الہجویری۔

سلسلہ نسب

آپ کے سوانح نگاروں نے آپ کا سلسلہ نسب یوں بیان کیا ہے:

حضرت علی ہجویری بن عثمان بن علی بن عبدالرحمٰن بن شجاع بن ابوالحسن علی بن حسن اصغر بن زید بن حضرت امام حسن بن امام الاولیاء والاصفیاء سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم ورضی اللہ تعالیٰ عنہ وعن آلہ الکریم۔

اس سے معلوم ہوا آپ ہاشمی سید ہیں اور حسنی ہیں۔

آپ کا خاندان

غزنی میں آپ کا خاندان وہاں کے عوام وخواص کی عقیدت کا مرکز تھا۔ آپ کی والدہ ماجدہ بڑی عابدہ، زاہدہ، خدارسیدہ خاتون تھیں۔ آپ حسینی سادات سے تھیں۔ گویا حسنی جمال اور حسینی جلال کی جملہ رعنائیاں اور دلفریبیاں سمٹ کر آپ کی ذات بابرکات میں مجتمع ہوگئی تھیں۔ آپ کے ماموں تاج الاولیاء کے معزز لقب سے مشہور تھے۔ داراشکوہ جب اپنے والد شاہجہان کے ہمراہ افغانستان کی سیر کے لئے گیا تو اس نے تاج الاولیاء کے مزار پر انوار پر بھی حاضری دی اور روحانی فیوض وبرکات سے اپنا دامن معمور کیا۔ حضرت تاج الاولیاء کے مزار پر انوار کے ساتھ ہی ان کی ہمشیرہ یعنی حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ ماجدہ کی مرقد مبارک بھی ہے۔

آپ کی ولادت

تذکرہ نگاروں نے آپ کے ذاتی اور خاندانی حالات کے بارے میں بڑے اختصار سے کام لیا ہے۔ اس لئے تفصیلات کی جستجو کرنے والوں کی تشنگی برقرار رہتی ہے۔ یہاں تک کہ آپ کے سال ولادت کے بارے میں بھی آپ کے تذکرہ نگاروں میں اتفاق رائے نہیں۔ اندازہ کے طور پر ہی کہا جا سکتا ہے کہ آپ کا سال ولادت ۴۰۰ ہجری ہے۔ یہ دور سلطنت غزنی کے عروج کا دور تھا۔ سلطان محمود غزنوی کی حکومت کے آخری ایام تھے یا سلطان مسعود غزنوی کے عہد حکومت کا ابتدائی زمانہ تھا۔ حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی تاریخ ولادت کے بارے میں کچھ نہیں لکھا۔ آپ تحریر فرما دیتے تو پھر بحث و تکرار کی گنجائش نہ رہتی۔ عجز و انکسار اولیاء اللہ کا شعار ہے۔ آپ نے بھی شاید از راہ تواضع اپنی تاریخ پیدائش کو کوئی اہم تاریخی واقعہ قرار نہ دیتے ہوئے اس کی تصریح کی ضرورت نہیں سمجھی۔

حالات زندگی

ہمارے نزدیک آپ کے حالات زندگی کا سب سے باوثوق مرجع آپ کی تصنیف کشف المحجوب ہے۔ اسی کے مطالعہ سے آپ کے حالات زندگی پر روشنی پڑتی ہے۔ اس میں آپ نے جگہ جگہ اشارے کئے ہیں کہ آپ کو بچپن سے ہی حصول علم کا شوق بے چین رکھتا تھا اور آپ نے اپنے زمانہ کے جلیل القدر علماء کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے اکتساب فیض کیا۔ آپ نے صرف اپنے علاقہ کے علماء ہی سے تحصیل پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ شام، عراق، بغداد، مدائن، فارس، کوہستان آزربائیجان، طبرستان، خوزستان، خراسان اور ماوراء النہر کے اسلامی صوبوں میں مشہور علماء و فضلاء

سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ حصول علم کے لئے سفر کی صعوبتیں بڑی خندہ پیشانی سے برداشت کیں۔ علوم و معارف کے سمندر پی جانے کے باوجود شوق علم کی بے تابیاں کم نہ ہوئیں۔ آپ خود تحریر فرماتے ہیں کہ:

فقط خراسان میں تین سو مشائخ کی خدمت میں حاضری دی اور ان کے علم و حکمت کے پُر بہار گلستانوں سے گل چینی کر کے اپنا دامن بھرتے رہے۔ آپ کے بیشمار اساتذہ میں سے دو اساتذہ کا ذکر آپ نے کشف المحجوب میں انتہائی ادب و احترام سے کیا ہے۔ ایک کا اسم گرامی شیخ ابوالعباس احمد بن محمد الاشقانی، دوسرے کا نام نامی شیخ ابوالقاسم علی گرگانی رحمۃ اللہ علیہما ہے۔ پروفیسر نکلسن جو کیمبرج یونیورسٹی میں عربی اور فارسی کے استاد رہے ہیں اور جنہیں کشف المحجوب کا انگریزی ترجمہ کرنے کا شرف حاصل ہوا ہے، وہ آپ کے شوق علم کے بارے میں لکھتے ہیں:

''آپ نے اسلامی مملکت کے دور دراز علاقوں کا سفر اختیار کیا۔ شام سے ترکستان تک، سندھ سے بحر کیسپیئن تک کا علاقہ چھان مارا۔

(مقدمہ انگریزی ترجمہ کشف المحجوب)

تحصیل علم کے بعد مرشد کامل کی تلاش میں آپ نے بڑے طویل سفر کئے۔ آپ کی طلب صادق پر اللہ تعالیٰ نے رحم فرمایا اور آپ کی رسائی اس شیخ کامل تک ہوئی۔ جن کے حسن تربیت اور فیض نظر کے باعث آپ سپہر معرفت پر آفتاب عالمتاب بن کر طلوع ہوئے اور اب تک دنیا ان کی ضوفشانیوں سے فیض یاب ہو رہی ہے۔

ہم جب اولیاء کاملین کی سیرتوں کا مطالعہ کرتے ہیں، تو ایک قدر مشترک ہمیں ہر جگہ نظر آتی ہے کہ یہ نفوس قدسیہ پہلے ظاہری علوم میں مہارت و کمال حاصل

کرتے اوراس کے بعد جادۂ عشق ومحبت الٰہی پر قدم رکھتے اوراس وقت تک مصروف جہاد رہتے جب تک شاہد حقیقی ان کے شوق کی بے تابیوں پر رحم فرماتے ہوئے حریم ذات کے دروازے ان کے لئے نہ کھول دیتا۔

یا جاں رسد بجاناں یا جاں زتن برآید

آپ کے شیخ کامل کا اسم گرامی شیخ ابوالفضل بن حسن ختلی رحمۃ اللہ علیہ ہے جو سلسلہ جنیدیہ کے شیخ کامل تھے۔ سلسلہ بیعت یوں ہے: حضرت شیخ ابوالفضل بن حسن ختلی ان کے شیخ کا اسم گرامی شیخ ابوالحسن حصری ہے ان کے شیخ کا اسم گرامی شیخ ابوبکر شبلی جو مرید تھے حضرت جنید بغدادی کے وہ مرید تھے حضرت شیخ سری سقطی کے۔ ان کی بیعت حضرت معروف کرخی سے تھی وہ حضرت داؤد طائی کے مرید اور خلیفہ مجاز تھے۔ حضرت داؤد طائی کی بیعت حضرت حبیب عجمی سے تھی اور وہ مرید تھے حضرت خواجہ حسن بصری کے رحمۃ اللہ علیہم اجمعین ۔ جنہیں فیضان طریقت ارزانی ہوا تھا، حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے جن کی پرورش آغوش نبوت میں ہوئی جو فیضان رسالت (سے فیضیاب ہوئے) سرور کائنات فخر موجودات سرکار دوعالم ﷺ۔

شیخ ابوالفضل ختلی رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ جن بزرگوں سے آپ نے فیضان حاصل کیا۔ ان میں سے حضرت ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ اور رسالہ قشیریہ کے مصنف امام ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اپنے شیخ ختلی کے بارے میں حضرت داتا صاحب قدس سرہ لکھتے ہیں:

''وہ صوفیاء متاخرین میں زینت اوتاد اور شیخ عباد ہیں۔ طریقت میں میری بیعت انہیں سے ہے، تصوف میں حضرت جنید کا مذہب رکھتے ہیں اور حضرت شیخ حصری کے رازدار مرید تھے۔''

آپ سال ہا سال مرشد کامل کی خدمت میں شب و روز مصروف رہے حتیٰ کہ حضرت ابوالفضل ختلی رحمۃ اللہ علیہ کا جب وصال ہوا تو ان کا سر مبارک حضرت علی ہجویری قدس سرہ کی گود میں تھا۔ اس سے اس قرب اور محبت کا بھی پتہ چلتا ہے جو مرشد کامل کو اپنے نور نظر روحانی شاگرد سے تھی۔

فقہی مذہب

حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد تھے اور ان سے بے پناہ عقیدت رکھتے تھے۔ کشف المحجوب میں جہاں بھی حضرت امام اعظم کا ذکر خیر آیا ہے۔ آپ نے بڑے معزز القاب سے ان کا ذکر کیا ہے جس سے اس احترام و عقیدت کا پتہ چلتا ہے جو حضرت امام ابوحنیفہ کے بارے میں آپ کے دل میں تھا۔ کہیں ان کو امام اماماں، مقتدائے سنیاں کہا ہے اور کہیں شرف فقہاء اعز علماء کے الفاظ سے خراج عقیدت پیش کیا ہے۔

آپ کی ازدواجی زندگی

آپ کی ازدواجی زندگی کے بارے میں بھی کسی تذکرہ میں تفصیلات دستیاب نہیں، البتہ کشف المحجوب کے ایک حوالہ سے اس قدر پتہ چلتا ہے کہ آپ نے شادی کی لیکن کچھ مدت کے بعد مفارقت ہوگئی۔ پھر آپ نے تازیست دوسری شادی نہیں کی۔

لاہور میں ورود مسعود

اپنے مرشد کامل کے وصال کے بعد آپ نے اپنے وطن غزنی کو خیر باد کہا اور تبلیغ اسلام کا شوق آپ کو کشاں کشاں بت کدۂ ہند میں لے آیا۔ آپ کے ہمراہ

آپ کے دو دوست شیخ احمد سرخسی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ ابوسعید ہجویری رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے۔ اسلام کے یہ پر جوش مبلغ اگر چہ تعداد میں قلیل تھے۔ لیکن ماحول کی اجنبیت ساز و سامان کے فقدان اور مخالفین کے تشدد و تعصب کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے تبلیغ اسلام کا فریضہ ادا کرنے کے لئے لاہور کی طرف روانہ ہوئے۔ اور یہ راستہ میں جہاں جہاں ٹھہرے کفر وظلمت کے اندھیروں میں توحید کی شمعیں فروزاں کرتے آئے۔ جب سرزمین لاہور ان نفوس قدسیہ کی قدم بوسی سے مشرف ہوئی اس وقت لاہور میں سلطان محمود غزنوی کا لڑکا سلطان مسعود غزنوی سریر آرائے مملکت تھا۔

اس کا عہد حکومت ۴۲۱ھ تا ۴۳۲ ہجری ہے۔ لیکن لاہور میں آپ کی آمد کے سال کا تعین مشکل ہے۔ اگر آپ کا سال وصال ۴۶۵ھ تسلیم کیا جائے، تو لاہور میں آپ کے قیام کی مدت ۳۰ سال سے زائد بنتی ہے۔ اس عرصہ میں آپ شب و روز اسلام کی تبلیغ میں مصروف رہے۔ آپ کی بے داغ اور دلکش سیرت پُرنور شخصیت، آپ کے پرخلوص دل سے نکلے ہوئے اور دلوں میں اتر جانے والے مواعظ حسنہ لوگوں کو کفر وضلالت کی دلدل سے نکال کر صراط مستقیم پر گامزن کرتے رہے۔

جن خوش نصیب لوگوں نے آپ کے دست ہدایت پر اسلام کی بیعت کی اور آپ کے فیض نگاہ کی برکت سے ان کے لوح قلب پر کلمہ توحید یوں نقش ہوا کہ صرف وہی تادم واپسیں اس کی لذت سے سرشار نہیں رہے بلکہ ساڑھے نو صدیاں گزرنے کے باوجود ان کی نسلیں بھی اسی ذوق وشوق کے ساتھ اسی کلمہ توحید کا ورد کر رہی ہیں۔ اور جب بھی وقت آتا ہے تو پرچم توحید کو بلند کرنے کے لئے بلا تامل بصد مسرت اپنے سروں کے نذرانے پیش کر دیتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے بندوں کی یہی

خصوصیت ہے کہ ان کا پڑھایا ہوا سبق فراموش نہیں ہوتا بلکہ گردش لیل و نہار اور حوادثات دہر کے باوجود اس کی سرمستیاں بڑھتی رہتی ہیں، اس کی آب وتاب میں اضافہ ہی ہوتا رہتا ہے۔ ایک درویش جس کے پاس نہ خزانہ ہے، نہ لشکر۔ اور نہ دنیوی وسائل ہیں اور نہ جاہ وحشمت، اپنے مصلے پر بیٹھا ہے، اپنے معبود برحق کی یاد میں ہمہ وقت مصروف ہے۔ اللہ تعالیٰ کے انوار وتجلیات کے نزول کے باعث اسے وہ شان دلربائی عطا کر دی جاتی ہے کہ لوگ اس کے رخ زیبا کو دیکھتے ہی اپنے زنار توڑ دیتے ہیں۔ اپنے آبائی عقیدوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ترک کر دیتے ہیں۔ کل تک جن بتوں کی وہ پرستش کر رہے تھے، آج اپنے ہاتھوں سے انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے ہیں۔ اور اس خداوند قدوس کی بارگاہ بیکس پناہ میں سجدہ ریز ہو جاتے ہیں اور ان سجدہ ریزیوں میں انہیں جو لطف، جو سرور، جو کیف میسر ہوتا ہے اس پر وہ اپنا سب کچھ نثار کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔

غزنوی خاندان کے باہمت فاتحین نے ممالک فتح کئے، قلعے سر کئے اور شاہی محلات پر اپنے پرچم لہرائے، لیکن ہجویر سے آئے ہوئے اس غریب الدیار درویش نے قلوب کی اقالیم کو مسخر کیا اور تعصب اور ہٹ دھرمی کے قلعوں کو پیوند خاک کیا اور جہالت وگمراہی کے پردوں کو سرکا کر حقیقت کے رخ زیبا کو یوں بے نقاب کیا کہ ہر صاحب قلب سلیم دیوانہ وار اس پر سو جان سے نثار ہونے لگا۔

آپ کا وصال

آپ کی تاریخ وصال کے بارے میں متعدد اقوال ہیں۔ پروفیسر نکلسن نے آپ کے وصال کے بارے میں لکھا ہے کہ ۴۵۶ تا ۴۶۵ھ کا کوئی درمیانی سال آپ

کا سال وفات ہے۔لیکن جامی لاہوری کا جو کتبہ پہلے آستانہ عالیہ کے دروازہ پر نصب تھا اس میں وفات کی تاریخ لفظ ''سردار'' سے نکالی گئی ہے اس طرح سال وصال ۴۶۵ھ بنتا ہے۔

خانقاہ علی ہجویری ست | خاک جاروب از درش بردار
طوطیا کن بدیدہ حق بین | تاشوی واقف در اسرار
چونکہ سردار ملک معنی بود | سال وصلش برآید از سردار

آپ کی تصانیف

آپ ایک بلند پایہ عالم، بالغ نظر محقق اور معقول ومنقول کے جامع تھے اور اس کے ساتھ آپ کا باطن نور عرفاں سے جگمگا رہا تھا۔آپ نے مختلف اہم موضوعات پر متعدد کتب تصنیف کیں جن کے نام یہ ہیں:

(۱)دیوان (جو آپ کے اشعار کا مجموعہ تھا) (۲) کتاب فنا وبقا (۳) اسرار الخلق والمونات (۴) کتاب البیان لاہل العیان (۵) بحر القلوب (۶) الرعایہ لحقوق اللہ (۷) منہاج الدین (۸) شرح کلام منصور الحلاج

لیکن بصد افسوس یہ کہنا پڑتا ہے کہ ان گراں مایہ تصنیفات میں سے کوئی کتاب بھی اس وقت موجود نہیں۔بعض کتابیں لوگوں نے سرقہ کر لیں اور انہیں اپنی طرف منسوب کر دیا۔اس کا ذکر حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے بڑے حسرت و تاسف کے ساتھ کشف المحجوب میں کیا ہے اور دوسری کتب ویسے ناپید ہو گئیں۔اس وقت آپ کی تصنیفات میں سے صرف ایک نادر روزگار کتاب موجود ہے جس کا نام ''کشف المحجوب'' ہے۔

اب کچھ کشف المحجوب کے بارے میں

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ تصنیف کی قدر و قیمت کا اندازہ اس کے مصنف سے لگایا جاتا ہے۔ جس کتاب کا مصنف اللہ تعالیٰ کا برگزیدہ بندہ، عارف کامل، عالم ربانی حضرت ابوالحسن علی بن عثمان ہجویری الجلابی رحمۃ اللہ علیہ جیسی فقید المثال ہستی ہو، اس کتاب کے بارے میں کچھ کہنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔ ہر زمانہ کے اہل علم اور ارباب طریقت و حقیقت نے اس کتاب کی عظمت اور افادیت کا اعتراف کیا ہے، انہیں میں سے چند ایک کے ذکر پر اکتفا کرتا ہوں۔

حضرت مولانا جامی قدس سرہ اپنی مشہور عالم کتاب ''نفحات الانس'' میں حضرت شیخ گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں رقم طراز ہیں۔

''عالم و عارف بود وصحبت بسیارے از مشائخ دیگر رسیدہ است، صاحب کتاب کشف المحجوب است کہ از کتب معتبرہ مشہورہ دریں فن است ولطائف وحقائق بسیار درآں کتاب جمع کردہ است۔''

ترجمہ: ''یعنی آپ عالم بھی تھے اور رموز وحقائق کے عارف بھی تھے۔ کثیر التعداد مشائخ کی صحبت سے فیض یاب ہوئے اور آپ کشف المحجوب کے مصنف ہیں اور یہ کتاب فن تصوف کی معتبر اور مشہور کتب میں سے ہے۔ آپ نے کتاب میں بے شمار لطائف وحقائق کو جمع کر دیا ہے۔''

مفتی غلام سرور لاہوری رحمۃ اللہ علیہ جو ایک بلند پایہ مصنف ہیں اور اپنے عصر میں ان کا شمار محققین میں ہوتا تھا تصوف اور صوفیاء کے بارے میں ان کی ذات ایک گراں قدر منبع و ماخذ تھی۔ آپ ''خزینۃ الاصفیاء'' میں لکھتے ہیں۔

"شیخ علی ہجویری را تصانیف بسیار است۔ اما کشف المحجوب از مشہور و معروف ترین کتب وے است و ہیچ کس را بروئے جائے سخن نیست بلکہ پیش ازیں کتب تصوف، ہیچ کتابے بزبان فارسی تصنیف نشدہ بود۔"

ترجمہ: حضرت شیخ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی بہت سی تصانیف ہیں اور ان میں سب سے زیادہ مشہور و معروف کتاب کشف المحجوب ہے۔ اور کسی کی مجال نہیں کہ اس پر کوئی اعتراض کر سکے یا تنقید کر سکے۔ علم تصوف میں یہ پہلی تصنیف ہے جو فارسی زبان میں لکھی گئی ہے۔

سب سے زیادہ گرانقدر اور صحیح رائے وہ ہے جو سلطان المشائخ نظام الحق والدین حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب کے بارے میں ارشاد فرمائی ہے۔ فوائد الفواد میں لکھا ہے۔ آپ نے فرمایا:

"جس کا کوئی مرشد نہ ہو اسے اس کتاب کے مطالعہ کی برکت سے مرشد مل جائے گا"۔

کشف المحجوب کے زندہ جاوید ہونے کی ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ اس زمانہ میں جبکہ لوگوں کا رجحان مادہ پرستی کی طرف ہے، اپنے اور بیگانے آج بھی اس کتاب کی تحقیق اور اس کی معیاری طباعت میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے میں کوشاں ہیں۔ مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلم مستشرقین اس کا ترجمہ دوسری زبانوں میں کر رہے ہیں۔ انگریز مستشرقین میں سے پروفیسر نکلسن جو کیمبرج یونیورسٹی میں عربی اور فارسی کے پروفیسر تھے، نے اس کا ترجمہ انگریزی زبان میں کیا ہے اور ترجمہ کرنے کا حق ادا کر دیا ہے۔ اسی طرح اشتراکی روس کے مستشرق پروفیسر "ژوکوفسکی، نے

ایک کتاب کی اہمیت اور افادیت کو تسلیم کرتے ہوئے کشف المحجوب کے ایک قدیم نسخہ کی تصحیح کے لئے اپنی زندگی کے کئی قیمتی سال صرف کئے۔ اور فارسی زبان میں ایک محققانہ مقدمہ لکھ کر اسے لینن گراڈ سے شائع کیا۔ وہ خطہ جو خدا کے وجود کا ہی منکر ہے دین اور روحانیت کو لغو اور فضول سمجھتا ہے، اس کے ایک فاضل نے بھی اس کتاب کی تحقیق، تصحیح اور تشریح میں اپنا قیمتی وقت صرف کیا اور ایک محققانہ مقدمہ کا اضافہ کر کے اس کتاب کی افادیت اور اہمیت کو خراج عقیدت پیش کرنے پر مجبور ہوا۔

اردو میں بھی بے شمار اہل علم وفضل نے کشف المحجوب کے تراجم کئے ہیں، لیکن جو ترجمہ ادارہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز حضرت داتا گنج بخش قدس سرہ کے عقیدت مندوں، اسلامی تصوف کے قدر دانوں اور نقادوں کی خدمت میں پیش کرنے کا شرف حاصل کر رہا ہے، اس کے مطالعہ کے بعد قارئین خود اس کی انفرادیت کو تسلیم کرنے پر مجبور ہوں گے۔ انشاء اللہ العزیز۔

گنج بخش کا لقب

حضرت کی ذات والا صفات اپنے نام سے زیادہ اس معزز لقب سے اکناف عالم میں مشہور و معروف ہے۔ اہل تحقیق نے اس لقب کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ حضرت سلطان الہند خواجہ خواجگان معین الحق والدین اجمیری قدس سرہ العزیز آنجناب کے مزار پر انوار پر حاضر ہوئے اور ایک حجرہ میں چالیس دن تک مصروف عبادت و ریاضت رہے۔ اس عرصہ میں حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ پر اپنے لطف و عنایت کی وہ بارش کی جس کا اندازہ حضرت غریب نواز ہی لگا سکتے ہیں۔ آپ نے جب آستانہ عالیہ سے رخصت ہونے کا ارادہ فرمایا تو بے ساختہ آپ کی

زبان پر حضرت علی ہجویری کی مدح میں یہ شعر جاری ہو گیا۔

گنج بخش فیضِ عالم مظہرِ نورِ خدا

ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

مردِ خدا کی زبان سے نکلا ہوا یہ شعر زبان زد خاص و عام ہو گیا۔ یوں آپ گنج بخش کے معزز لقب سے معروف ہوئے۔

آپ کے بعد ہر زمانہ میں اولیاء کاملین اور علماء ربانیین آپ کے در اقدس پر حاضر ہوتے رہے اور آپ کے دستر خوان جود و کرم سے جھولیاں بھر بھر کر لے جاتے رہے۔ اس زمانہ میں بھی جبکہ اولیاء کرام کے مزارات مقدسہ پر حاضری کو بدعت و شرک ثابت کرنے کی ایک تند و تیز مہم جاری ہے، حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی ذات انور کی دلکشی کا یہ عالم ہے کہ رات دن طالبان حق کا تانتا بندھا رہتا ہے۔ گرمی ہو یا سردی، بارش ہو یا دھوپ، دن ہو یا رات کوئی لمحہ ایسا نہیں جبکہ بندگان خدا کا ہجوم اللہ تعالیٰ کے اس محبوب اور برگزیدہ بندے کے آستانہ عالیہ پر حاضری کا شرف حاصل نہ کر رہا ہو۔ وہاں پہنچ کر ہی اس آیت کریمہ کا صحیح مفہوم سمجھ میں آتا ہے۔ فاذکرونی اذکرکم واشکروالی ولا تکفرون۔ اے میرے بندو! تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا، تم میری پیہم نعمتوں اور احسانات کا شکریہ ادا کرتے رہو اور ناشکری کا انداز مت اختیار کرو۔

حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی حیات مستعار میں اپنے رب کو یاد رکھا اور اب اللہ تعالیٰ تا ابد اپنے اس بندے کی یاد کو تازہ رکھے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ جو وعدہ فرماتا ہے وہ پورا کرتا ہے۔ ان اللہ لایخلف المیعاد۔

سید ہجویر مخدوم امم
مرقد او پیر سنجر را حرم

بندھائے کوہسار آساں گسیخت
در زمین ہند تخم سجدہ ریخت

عہد فاروق از جمالش تازہ شد
حق ز حرف او بلند آواز شد

پاسبان عزت ام الکتاب
از نگاہش خانہ باطل خراب

خاک پنجاب ازدم او زندہ گشت
صبح ما از مہر او تابندہ گشت

عاشق وہم قاصد طیار عشق
از جبینش آشکار اسرار عشق

خاک راہ صاحبدلاں
محمد کرم شاہ
زیب سجادہ آستانہ عالیہ بھیرہ شریف
ضلع سرگودھا
جسٹس شریعت اپیلنٹ بنچ سپریم کورٹ آف پاکستان
اسلام آباد

اسلام آباد ۲۴ محرم الحرام ۱۴۰۴ھ
مطابق ۳۱۔ اکتوبر ۱۹۸۳ء

کشف المحجوب، اردو ترجمہ علامہ فضل الدین گوہر، حضرت داتا گنج بخش سید علی ہجویریؒ
ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور جون ۲۰۰۷ء ص: ۴۰۔۸۳

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَبرِ کرم

ضیاءالامت جسٹس حضرت **پیر محمد کرم شاہ** صاحب ایم۔اے (جامعہ ازہر)

پرنسپل جامعہ محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف ضلع سرگودھا

حامداً ومصلیاً ومسلماً

محترم جناب محمد صادق صاحب قصوری ہمارے ملک کے ممتاز محقق، قابل اعتماد مورخ اور صاحب طرز ادیب ہیں ان کی تحقیقی نگارشات علمی حلقوں میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں طلبہ اور علماء بڑے شوق سے ان کی تصنیفات کا مطالعہ کرتے ہیں...... لیکن تذکرہ نقشبندیہ خیریہ" لکھ کر انہوں نے اپنے آپ کو زندہ جاوید بنا دیا ہے۔

طریقت اور معرفت کے گہرے سمندر میں غواصی، بڑے حوصلہ کا کام ہے اس کی تہہ سے آبدار موتیوں سے جھولی بھرنا بڑے مقدر کی بات ہے، پھر ان کو آراستہ پیراستہ کر کے حق کے متلاشیوں اور متوالوں کے ذوق لطیف کی تسکین کا سامان بنا دینا بہت بڑی سخاوت ہے۔

اس کتاب کی تالیف کی توفیق ارزانی فرما کر رحمت الٰہی نے جناب قصوری صاحب کو ان ساری خوبیوں سے مالا مال فرما دیا ہے۔

تذکرہ نگاری، ہماری درخشاں ماضی کا ایک قیمتی باب ہے۔ خلفاء، سلاطین، فاتحین، محدثین مفسرین، فقراء اولیاء، علماء شعراء، ادباء اطباء، حکماء الغرض ہر عہد کے تذکرہ نگاروں نے زندگی کے ہر شعبہ سے تعلق رکھنے والے ملت کے قابل قدر افراد کے علمی اور عملی، تحقیقی اور تخلیقی کارناموں کو اپنے اسفار جلیلہ میں بڑی امانت اور سلیقہ سے محفوظ کر لیا ہے تا کہ آنے والی نسلیں، اپنے اسلاف کے زریں کارہائے نمایاں کو یاد بھی رکھیں اور اپنے مضمحل قوی اور افسردہ ذہنی صلاحیتوں کو ان سے تازہ خون مہیا کر کے نئی زندگی سے بہرہ ور کرتی رہیں تا کہ وہ رزمگاہ حیات میں اپنا ملی فریضہ حسن وخوبی سے انجام دے سکیں۔

ان تذکروں میں اولیاء کرام کے تذکروں کی شان ہی نرالی ہے۔ ان کا مطالعہ شیخ کامل کی صحبت کا نعم البدل ثابت ہوتا ہے۔ محبت الٰہی کے خشک سوتے ازسرنو ابلنے لگتے ہیں۔ غافل دلوں میں یاد الٰہی کی شمع روشن ہو جاتی ہے ان بندگان خدا کے حالات کے مطالعہ کی برکت سے نفس امارہ کی سرکشی پر قابو پانے کی ہمت پیدا ہو جاتی ہے۔ عبادت واطاعت کی منزل کا ست گام مسافر، برق رفتار بن جاتا ہے۔ ان مسیحا نفس حضرات کی تابان سیرت کے مطالعہ سے انسان کی کایا پلٹ جاتی ہے۔

ہمارے اکابر کو ان پاک نہاد حضرات کے تذکار کی ان برکات کا پوری طرح احساس تھا اسی لیے انہوں نے تصوف کے مختلف طریقوں کے ہزارہا مشائخ کے حالات، کمالات خصوصاً ان کی تعلیمات کو بڑی جانفشانی سے جمع کیا۔ پوری علمی

دیانت کے ساتھ بڑے دل آویز پیرایہ میں ان کو صفحہ قرطاس پر ثبت کر دیا تا کہ ان کے حیات بخش فیضان سے ملت کے افکار نظریات بیرونی زہریلے اثرات سے محفوظ رہیں اور گلشن اسلام سدا بہار رہے۔

کچھ عرصہ سے ملت کے دوسرے علمی شعبوں کی طرح یہ شعبہ بھی زوال و انحطاط کی زد سے نہ بچ سکا۔ جو تذکرے لکھے گئے ان میں چند مستثنیات کے علاوہ کمالات اور کرامات پر زیادہ زور دیا جانے لگا۔ کرامات کے بیان کرنے میں بھی احتیاط کے تقاضوں کو اور روایات کی شرائط کو عام طور پر نظر انداز کیا جانے لگا۔ ہر وہ حکایت جس میں تعجب انگیزی کا پہلو زیادہ ہوتا اتنا ہی اس کو اُچھالا جاتا۔ حتی کہ بے سند روایات اور غیر معتبر کرامات کی دھن میں فلک معرفت کے تابندہ ستارے چھپ گئے ان سے رشد و ہدایت کا مقصد فوت ہو گیا اس سے دوہرا نقصان ہوا جو لوگ پہلے ہی صوفیاء سے بدگمان تھے اور تصوف کو افیون یا عجمی سازش سمجھتے تھے انہیں مزید اس چشمہ ہدایت سے دور بھاگنے اور نفرت کرنے کے بہانے مل گئے۔ اور جو لوگ صوفیاء اور اولیاء سے عقیدت رکھتے تھے وہ ان کے کمالات سے تو آگاہ ہوئے لیکن ان کی روح آفریں اور ایمان پرور تعلیمات کے فیض سے محروم رہے یہ محرومی کوئی معمولی محرومی نہ تھی اس کے باعث شیر، روباہ مزاج اور شاہین، زاغ صفت بن گئے۔

محترم جناب قصوری صاحب نے اپنے تذکرہ میں سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے مشائخ رضوان اللہ علیہم کے جہاں کمالات و کرامات کا ذکر کیا ہے۔ ہاں ان کی تعلیمات کو بھی شرح و بسط سے بیان کیا ہے انہیں اپنے پیران عظام سے جو قلبی وابستگی اور ان کی تعلیمات سے جو دلی لگاؤ اور ان کے نظام رشد و ہدایت کی اشاعت و توسیع کا

جو بے پایاں جذبہ ہے اس کا انہوں نے حسن انداز میں مظاہرہ کیا ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ چار دانگ عالم میں اسلام کی تبلیغ و اشاعت کی توفیق اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے ان پاک نہاد اور پاکباز بندوں کو مرحمت فرمائی جنہوں نے زندگی کی ساری دلچسپیوں سے منہ موڑ کر اور دنیا کی جملہ عشرہ طرازیوں سے دامن دل چھوڑ کر اپنی حیات مستعار کا لحہ لحہ اپنے خالق کریم جل مجدہٗ کی محبت اور اس کے محبوب کریم، رؤف رحیم علیہ افضل الصلوٰۃ واکمل التسلیم کے عشق میں بسر کیا۔ دنیا بھر میں جہاں کہیں کفر و شرک کے مستحکم قلعے تھے یہ درویش، دور دراز کی مسافتیں طے کر کے وہاں پہنچے اور لا الہ الا اللہ کی ضرب خیبر شکن سے ان کو منہدم کیا وہاں توحید کا چراغ روشن کیا جسے پھر کوئی آندھی نہ بجھا سکی ہاں اسلام کا پرچم اس شان سے لہرایا کہ کوئی طوفان، کوئی خونی انقلاب اسے سرنگوں نہ کر سکا...... یہ ایک ایسی حقیقت ہے جو آفتاب سے بھی تابندہ تر ہے۔ کوئی دل کا اندھا ہی اس کا انکار کر سکتا ہے۔

آخر میں اس اولوالعزم ہستی یعنی حضرت خواجہ ابوالخیر محمد عبداللہ جان محی الدین نقشبندی مجددی سجادہ نشین دربار عالیہ مرشد آباد شریف پشاور کا شکریہ ادا کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔ اس گرانی کے زمانہ میں اتنی ضخیم کتاب کی کتابت، طباعت اور اشاعت کے بارگراں کا متحمل ہونا ان کے جذبہ صادقہ پر شاہد عدل ہے۔ انہیں اپنے سلسلہ کے مشائخ کبار سے جو عقیدت ہے اس کی یہ روشن دلیل ہے اس مادیت گزیدہ دور میں نوجوان ملت کی ذہنی اور روحانی تربیت، ان کے عقائد و اعمال کی اصلاح کا جو بے پایاں جذبہ انہیں ہر وقت بے چین رکھتا ہے وہ اسلام کے خادموں کے لیے مایہ ناز بھی ہے اور حوصلہ افزا بھی، ایسی ہی ہستیاں ملت کے شاندار مستقبل کی ضامن ہوتی ہیں۔

ہماری دلی دعا ہے اللہ تعالیٰ ان کے ظل عاطفت کو تادیر سلامت رکھے، ان کے حوصلوں کو بلندی، ان کے عزائم کو پختگی اور ان کے نیک ارادوں کو لازوال کامیابیوں سے سرفراز فرماتا رہے۔ آمین ثم آمین بجاہ حبیبہ الامین صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم الی یوم الدین۔

خاک راہ صاحب دلاں

(جسٹس) پیر محمد کرم شاہ الازہری

سجادہ نشین آستانہ عالیہ امیریہ

بھیرہ۔ ضلع سرگودھا

۲۵ رجب المرجب ۱۴۰۸ھ

۱۵ مارچ ۱۹۸۸ء

نوٹ: یہ مقدمہ مولانا محمد صادق قصوری کی کتاب "تذکرہ نقشبندیہ خیریہ" (ص:۲۶۔۲۸) سے لیا گیا ہے۔ یہ کتاب ۱۹۸۸ء میں ضیاء القرآن پبلی کیشنز نے شائع کی۔ یہی کتاب معمولی تبدیلی کے ساتھ زاویہ پبلشرز نے تاریخ مشائخ نقشبند (جماعتیہ) کے نام سے ۲۰۰۳ء میں شائع کی۔ دونوں میں تقریباً مقدمہ یہی ہے البتہ پبلشر نے نہ جانے اس نوٹ کا اضافہ کیوں ضروری سمجھا "افسوس کہ حضرت ضیاء الامت اس کتاب کی اشاعت و طباعت سے قبل ہی رحلت فرما گئے" (ص:۸) حالانکہ یہ مقدمہ ۱۹۸۸ء میں لکھا گیا اور یہ کتاب پہلے دوسرے نام سے چھپ چکی تھی۔

حضرت ضیاء الامت جسٹس پیر کرم شاہ الازہری مدظلہ
سجادہ نشین آستانہ عالیہ امیر السالکین بھیرہ شریف
ضلع سرگودھا، پنجاب (پاکستان)

مقدمہ

حضرت شمس الحق والدین سیالوی قدس سرہ کی ذات ستودہ صفات بلامبالغہ ان عزیز الوجود شخصیتوں میں سے ایک ہے جنہیں رحمت الٰہی انتہائی پر آشوب اور کربناک حالات میں اپنے لطف وکرم کا مظہر بنا کرامت مصطفویہ کی چارہ سازی کے لئے مقرر فرماتی ہے۔

آپ کی سیرت طیبہ کا ہر پہلو چودھویں کے چاند سے زیادہ روشن ہے۔ شاہراہ حیات پر آپ کا ہر نقش قدم سالکان راہ محبت ووفا کے لئے خضر راہ ہے۔ اس میں جمال بھی ہے اور جلال بھی، سمندر کی طرح اس میں گہرائی بھی ہے اور وسعت بھی۔ اس دور میں جب کہ شکوک وشبہات کے بھونچال ایمان ویقین کے قلعوں میں شگاف ڈال رہے ہیں، اس بزم رنگ و بو میں آپ کی تشریف آوری بڑی برکتوں کا باعث تھی۔

تاریخ کی بوالعجبیوں پر جب نظر پڑتی ہے تو انسان حیران و ششدر رہ جاتا ہے۔ ۱۷۹۹ء ہی وہ سال ہے جس میں دنیائے اسلام کے بطل جلیل سلطان ٹیپو، اس ملک کو انگریزوں کے ناپاک تسلط سے بچانے کی مجاہدانہ کوششوں میں جام شہادت نوش کرتے ہیں۔ ۱۷۹۹ء میں ہی رنجیت سنگھ لاہور پر قبضہ کرتا ہے۔ آپ اندازہ فرمائیے یہ لمحے برصغیر پاک و ہند کی امت مسلمہ کے لئے کتنے کربناک اور مایوس کن تھے لیکن رحمت الٰہی نے مایوسیوں کے گھپ اندھیروں میں امید کا چراغ روشن کرنے کے لئے اسی سال ۱۷۹۹ء میں سیال کی ایک چھوٹی سی بستی میں حضرت خواجہ شمس العارفین کو پیدا فرمایا۔

آپ نے تحصیل علم کے بعد حضرت پیر پٹھان شاہ محمد سلیمان تونسوی کے میخانہ عشق و محبت سے معرفت کے جام طہور نوش فرمائے اور اپنے مرشد کامل کی ہدایت کے مطابق اپنے وطن مالوف میں رشد و ہدایت کی مسند بچھا کر لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اس کے محبوب کریم ﷺ کی سچی محبت اور غلامی کی طرف دعوت کا آغاز کیا۔ اس دعوت میں اتنی مٹھاس اور کشش تھی کہ صرف پنجاب ہی نہیں صرف برصغیر پاک و ہند ہی نہیں بلکہ اکناف عالم سے طالبان حق کے گروہ در گروہ آپ کے در اقدس پر پہنچنے لگے اور وہاں سے فیض یاب ہو کر دنیا بھر کے تشنہ لبوں کو سیراب کرنے لگے۔ جن لوگوں کو آپ نے اپنے آغوش تربیت میں پروان چڑھا کر مسند ارشاد پر بیٹھنے کا حکم دیا ان کا شمار آسان نہیں۔ آج تک متعدد اہل علم و فضل نے اس بادشاہ فقر کے دریوزہ گروں کی فہرستیں مرتب کرنے کی کوشش کی اور ان کے روح افروز حالات قلمبند کئے لیکن ہر ایک کو یہ اعتراف تھا کہ وہ اس بابرکت جماعت کا

عشر عشیر بھی ضبط تحریر میں نہیں لا سکے۔

حضرت خواجہ شمس العارفین کے کئی خلفاء اتنے باکمال تھے کہ ان کی روشنی آفتاب کی طرح چار دانگ عالم میں پھیلی اور ان کی اس چکا چوند میں معرفت کے کئی ستارے دیکھنے والوں کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئے۔ کسی ایسے اہل قلم کی شدت سے ضرورت محسوس کی جارہی تھی جو گلشن سیال میں کھلنے والے تمام پھولوں کا احاطہ کر سکے اور ان کے رنگ و بو کے ذکر جمیل سے مشام جاں کو معطر کر سکے۔

یہ سعادت حضرت مولانا محمد مرید احمد چشتی کے لیے مخصوص تھی۔ انہوں نے سالہا سال کی محنت شاقہ کے بعد یہ گلدستہ تیار کیا ہے جس میں گلشن پیر سیال کے جن پھولوں تک ان کی رسائی ہو سکی ہے ان کو انہوں نے یکجا کیا ہے۔ انہیں بھی یہ دعویٰ نہیں کہ انہوں نے حضرت پیر سیال کے سارے باکمال خلفاء کا مبسوط تذکرہ قلمبند کر دیا ہے اور یہ دعویٰ حقیقت سے بھی دور ہو گا لیکن اس بات میں کوئی شک نہیں کہ آج تک اس سلسلہ میں جتنی کوششیں ہوئی ہیں ان میں یہ کوشش جامع ترین ہے۔ انہوں نے ہر اس مقام پر پہنچنے کی کوشش کی ہے جہاں انہیں حضرت پیر سیال کے کسی خلیفہ کا سراغ ملا ہے وہاں پہنچ کر وہاں کے حالات کا عینی مشاہدہ کیا ہے۔ وہاں کے سجادہ نشینوں، ان خانقاہوں کے متعلقین اور عقیدت مندوں سے معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس لحاظ سے یہ کوشش یقیناً قابل تحسین ہے اور مولانا کی ذات قابل صد تبریک ہے جنہوں نے اس فرض کو ادا کرنے کے لئے اپنی زندگی کے کئی ماہ و سال وقف کئے ہیں۔

میں ساری کتب کا بالاستیعاب مطالعہ کرنے سے تو قاصر رہا لیکن جہاں تک

مجھے اس کتاب کے پڑھنے کا موقع ملا ہے اسے پڑھ کر قلبی مسرت ہوئی ہے۔

امید ہے میرے دوسرے پیر بھائی بھی اس گلدستہ عقیدت کے رنگین اور خوشبودار پھولوں سے اپنے ذوق سلیم کی تسکین کا سامان کریں گے۔

نیاز کیش پیر سیال

محمد کرم شاہ

۱۱_۶_۱۹۹۰

الفوز المقال، مرید احمد چشتی

ادارہ تعلیمات اسلاف لاہور، ص: ۷_۹

مقدمہ

از: حضرت پیر کرم شاہ مدظلہ جسٹس وفاقی شرعی عدالت۔ پاکستان

اللہ رب العزت نے اپنے محبوب کریم علیہ التحیۃ والثناء والتسلیم کو بے شمار شانوں اور ان گنت کمالات سے بہرہ ور فرما کر مبعوث کیا۔ یہ کمالات عالیہ حدو احصاء سے باہر ہیں۔ انہیں میں سے ایک خصلت حمیدہ یہ بھی ہے کہ آپ ''دلوں کا تزکیہ فرماتے ہیں''۔ وہ دل جو دنیوی خواہشات سے آلودہ ہو چکے ہوں، ان کی دھڑکنوں کا مرکز ومحور بدل گیا ہو، جو اپنے خالق و مالک کے ذکر کی حلاوت سے محروم ہو چکے ہوں، شیطانی وسوسہ اندازیوں اور نفس کی دسیسہ کاریوں کی آماجگاہ بن چکے ہوں۔ جب ایسے پراگندہ دل بھی آپ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوں گے اور آپ کی نگاہ لطف ان کی جانب اٹھ جائے گی تو ان دلوں کو وہ طہارت نصیب ہو جائے گی کہ قدسیان سمٰوٰت بھی ان پر رشک کریں گے۔ اب شیطانی حربے ان کے دلوں پر اثر انداز نہیں ہو سکیں گے بلکہ وہ تو انوار ربانی کے مہبط و مرکز بن چکے ہوں گے۔

ہمارے پاک و پاکیزہ سرشت پیغمبرؐ کے فیض ہمایوں نے دلوں کی اجڑی ہوئی دنیا کو بہار آشنا کر دیا۔ ایسی سرمدی ودائمی بہار کہ وہ اس کے بعد کبھی بھی خزاں کی

ستم رانیوں کا شکار نہیں ہو سکتی۔

نبی اکرم واطہر علیہ ﷺ کی فیض بخشیوں کا یہ سلسلہ اولیاء کرام کی صورت میں آج بھی جاری و ساری ہے۔ ان نفوس قدسیہ کے روحانی تصرفات اور باطنی فیوضات نے ہمیشہ دنیا میں خیر کی روایت کو زندہ رکھا۔ عصیان ولغزشوں سے آلودہ دلوں کو حق و راستی کے انوار سے روشن ومنور کرنے کا سلسلہ ہمیشہ ان پاکان امت نے اپنی شبانہ روز کاوشوں سے بحال رکھا۔ اولیائے کرام کی اس مساعی کے صدقے اس امت میں ایسے ارفع و اعلیٰ کردار اور ایسی برگزیدہ ہستیاں پیدا ہوتی رہیں کہ دنیا کی کوئی قوم ان جیسے نادر روزگار وجود پیش نہیں کر سکتی۔

آج جبکہ عالم اسلام گوناگوں ابلیسی سازشوں کا شکار ہے۔ ان میں سے ایک بہت بڑی سازش اسلام کے اس روحانی نظام کو مشکوک اور بے اصل ثابت کرنے کی ہے۔ اغیار اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ یہ امت اپنے ایمان، محبت اور حق کی خاطر مر مٹنے کے لا یزال جذبے کہاں سے حاصل کرتی ہے۔ ایسے میں وہ افراد بڑے خوش بخت اور فرخندہ اقبال ہیں جو اپنے اسلاف کی درخشندہ اور حیات آفریں روایت کی پاسداری کا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں۔

محترمی عزت مآب حضرت پیر عبداللطیف خان صاحب نقشبندی کی تصنیفات عالیہ دیکھ کر دل بہت خوش ہوا۔ فی زمانہ صوفیائے کرام کی تعلیمات کو سہل انداز میں اور عصری مذاق کے مطابق نوجوان نسل اور تشکیک زدہ افراد کے سامنے پیش کرنا بہت ہی ضروری ہے۔ ان روایات کے احیاء کے بغیر امت مسلمہ کی نشاۃ ثانیہ کا مقصد کبھی بھی پورا نہیں ہو سکتا۔ ایسی مفید اور معیاری کتابوں کے مصنف یقیناً مبارک

باد کے مستحق ہیں۔ اپنے حبیب کریم ﷺ کے صدقے اللہ رب العزت ان کی کاوشوں کو قبولیت سے ہمکنار فرمائے اور ان کی فیض رسانیوں کے سلسلہ کو مزید وسعت عطا فرمائے۔ آمین

۱۴/اکتوبر ۱۹۹۵ء

خاک راہ صاحب دلاں
پیر محمد کرم شاہ الازہری
سجادہ نشین، بھیرہ شریف

رابطہ شیخ، پیر عبداللطیف خان نقشبندی
احمد پبلی کیشنز، لاہور، ص: ۶۔۷

نگاہِ کرم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عزیز مولانا ظہور بروہی صاحب دارالعلوم کے ان سرکردہ طلباء میں سے ہیں جن کی صلاحیتوں سے مجھے توقعات تھیں کہ اللہ تعالیٰ ان سے اپنے دین کی نمایاں خدمات لے گا۔ انہوں نے اپنی یادداشتوں کا مجموعہ مرتب کیا ہے۔ یہ ان کی ذہانت قابلیت، اللہ تعالیٰ اوران کے محبوب کریم ﷺ سے بےلوث محبت اور تعلق کے دلائل ہیں، جنہیں پڑھ کر ایمان تازہ ہو جاتا ہے اور دل میں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی الفت کا سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے جذبہ محبت کو زیادہ سے زیادہ توانا کرے تاکہ وہ حضور سرور عالم ﷺ کے سادہ لوح غلاموں کی راہنمائی کا فریضہ کامیابی سے ادا کرتے رہیں۔

این دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

محمد کرم شاہ

۳۱ / جولائی بدھ ۱۹۹۶

جواہر کرم، مولانا ظہور احمد بروہی

مکتبہ جمال کرم لاہور، فروری ۲۰۰۵ء، ص: ۳

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ونَحۡمدہٗ ونصلّی ونسلم علٰی رَسُولِہِ الکریۡمُ

حضور نبی رحمت سرور عالم ﷺ کا یہ اعجاز ہے کہ جب کبھی اس چودہ سو سال کے عرصہ میں امت پر انحطاط وزوال کا دور آیا۔ اور ہر طرف مایوسیوں کے اندھیرے گھرنے ہو گئے۔ اسی وقت کوئی ایسا مرد پاک ناز نمودار ہوا۔ جس نے اپنی مسیحائی سے جان بلب قوم کا حیات نوارزانی فرمادی اور اپنی شعلہ نوائیوں سے حالات کا نقشہ بدل کرر کھ دیا۔ وہی قوم جو ابھی مردہ اور افسردہ نظر آ رہی تھی۔ میدان عمل میں اس کی جولانیاں، اور حصول مقصد کے لیے اس کی بے دریغ قربانیاں ایک عالم کو محو حیرت کرنے لگیں۔ اسلام کی تاریخ میں اس قسم کی متعدد مثالیں موجود ہیں۔

آٹھ نو سو سال برصغیر ہند میں اپنی عظمت کا ڈنکا بجانے کے بعد جب مسلمان قوم کی قوتوں کو طاؤس ورباب اور عشرت ونشاط کے گھن نے کھوکھلا کر دیا۔ اور اسے ہزاروں میل دور سے آنے والی قوم نے تخت وتاج سے محروم کر کے اپنی غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دیا۔ اس کی معاشی حالت ابتر ہو گئی۔ جہاں علم وعرفان کی شمعیں روشن تھیں۔ وہاں جہالت اور توہم پرستی نے اپنے خیمے گاڑ دیئے۔ بڑے بڑے زیرک لوگ یہ یقین کر بیٹھے کہ اب اس قوم کا زندہ رہنا ممکن نہیں۔ عین اس وقت اس قوم کی

خاکستر سے ایسی ہستیاں نمودار ہوئیں۔ جن کی گرمی نفس اور فیض نگاہ نے اونگھتی ہوئی قوم کو بیدار کر دیا اس کے پہلو میں آرزو کی چنگاری بھڑکا کر اسے مصروف عمل کر دیا۔

انہی نفوس قدسیہ میں سالار کاروان عشق حضرت خواجہ غلام فرید قدس سرہٗ کی ذات والا صفات ہے۔ جو کوٹ مٹھن کے ایک غیر معروف گاؤں کے مطلع پر ایک آفتاب بن کر طلوع ہوئی۔ آپ کی ذات کیا تھی۔؟ حسن و عشق کا ایک حسین امتزاج، نیاز و انکسار کا ایک مرقع زیبا جس نے قلوب واذہان دونوں کو لوٹ لیا۔ اپنی سوز و گداز سے ایک جہان کیف و آرزو کو تخلیق فرمایا۔

شاعر بیشمار گزرے ہیں جو اپنی فصاحت، نکتہ آفرینی اور نعت گوئی میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔ لیکن ان کے کلام سے صرف کان اور ذہن محظوظ ہوتے تھے۔ ان کی آواز دل کے کانوں تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔ لیکن مخدوم الاولیاء حضرت خواجہ غلام فریدؒ کے کلام میں جو سوز و گداز ہے۔ اس کا اولین مخاطب دل ہے۔ جب بھی کوئی صاحب قلب سلیم اس کلام معجز نظام کو سنتا ہے۔ اس کے پہلو میں ہنگامہ رستاخیز برپا ہو جاتا ہے۔ آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے ہیں۔ آتش عشق یوں بھڑک اٹھتی ہے کہ ماسوی اللہ کو خاکستر بنا کر رکھ دیتی ہے آپ کا کلام سننے سے جو کیف و سرور اور ذوق و مستی نصیب ہوتی ہے۔ اس کا اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں۔ جو کبھی اس سعادت سے بہرہ اندوز ہوئے ہوں .... حضرت خواجہ صاحبؒ کا کلام سرائیکی زبان میں ہے۔ اس میں کئی الفاظ ایسے ہیں جو پنجاب کے دوسرے خطوں میں بسنے والوں کے لیے مشکل ہیں۔ اسی وجہ سے حضرت خواجہ صاحبؒ کا دیوان جو اسرار و معارف کا ایک گنج شائگان ہے۔ جو واردات و کیفیات کا ایک بحر ناپید کنار ہے۔ اس سے اہل دل پوری طرح

مستفید نہیں ہو رہے تھے۔ اس رکاوٹ کو دور کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے برادر محترم مولانا نور احمد خان فریدی کے قلم کو منتخب کیا۔ انہوں نے سالہا سال کی عرق ریزی سے دیوان فریدؒ کی پیچیدگیوں کو آسان بنا دیا۔ اور شاہد معنی کے رخ زیبا پر جو نقاب پڑ گئے تھے ان کو بڑی جرأت سے اٹھا دیا۔

حضرت خواجہ قدس سرہ العزیز کے نیاز مند جب اس دیوان سے مستفید ہوں گے۔ تو ان کی گردنیں مولینا فریدی کے بار احسان سے جھکی ہوئی ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ اس فرید العصر، ادیب، محقق اور بالغ نظر صوفی کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ جس کی کاوشوں نے میرے جیسے ہزاروں کم کوشوں کے لیے اس چشمہ حیات تک پہنچنے کی راہ ہموار اور آسان بنا دی ہے۔

اللهم تقبل منه قبولاً حسناً و بارک لنا فی علمه و حیاته

خاکسار صاحبدلاں

محمد کرم شاہ سجادہ نشین بھیرہ

۲۴ ربیع الاول ۱۳۹۹ھ

۲۲ فروری ۱۹۷۹ء

دیوان فرید رحمۃ اللہ علیہ، مترجم و شارح مولانا نور احمد خان فریدی قصر الادب، رائٹرز کالونی، ملتان، جلد ۲، ص: ۵۔۶

مُتفرق

إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ

تعارف مصنف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی حبیبہ

رحمۃ للعالمین وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین۔

عالی مرتبت ڈاکٹر غلام جیلانی برق ملک کی ایک نامور شخصیت ہیں۔ قدرت کی فیاضیوں نے انہیں بے پناہ صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ عقل دقیقہ سنج، فکر گردوں سیر، عقابی نگاہ اور دل دردمند کے ساتھ ساتھ انہیں سیمابی فطرت بھی عطا فرمائی ہے۔ جس نے انہیں حسین سے حسین تر کی تلاش میں ہمیشہ سرگرداں رکھا۔ اس سفر میں ان کا گزر سنسان صحراؤں، چٹیل میدانوں، کٹھن گھاٹیوں سے ہوا اور ان کی راہ میں ایسے سلسلہ ہائے کوہ بھی آئے جن کی بلندیاں تھکا دینے والی۔ جن کے بے کیف مناظر اکتا دینے والے تھے۔ لیکن ان کی جولانیوں میں ذرا فرق نہ آیا۔ جہاں کہیں سے ان کا گزر ہوا انہوں نے اپنے مشاہدات، احساسات اور تاثرات کو بڑی جرأت، دیانت اور سنجیدگی سے پیش کیا۔ بعض مقامات پر ان سے شدید اختلافات کے باوجود ان کا قاری ان کے جگر سوختہ سے اٹھنے والے دھوئیں کی تمازت محسوس کیے بغیر نہ رہ سکا۔

ان کا راہوار تحقیق بے دھڑک آگے بڑھتا رہا۔ بعض مقامات ایسے بھی آئے جہاں پر خدشہ لاحق ہوا کہ یہ نڈر شہسوار کسی پیچ وخم میں گم ہو کر نہ رہ جائے کسی اونچی چوٹی سے اس کا قدم پھسل نہ جائے۔ کیونکہ ان کی ترک تازیوں کے پس پردہ محض اسلام اور ملت اسلامیہ کے لئے خلوص تھا۔ وہ اپنی قوم کے مستقبل کو ماضی سے بھی تابندہ تر دیکھنے کے جذبہ سے سرشار تھے۔ اس لئے توفیق الٰہی سے ہر نازک مرحلہ کا یہ جیالا مسافر وہاں پہنچ گیا جہاں پہنچنے کی آرزو اسے ہر وقت بے چین رکھا کرتی تھی۔

ادارہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز بڑی مسرت کے ساتھ فرزندانِ توحید کی خدمت میں جناب ڈاکٹر صاحب کی ایک انمول تالیف "عظیم کائنات کا عظیم خدا" پیش کر رہا ہے۔ اس میں انہوں نے اللہ کی توحید اور اس کی صفات کاملہ جلیلہ پر ٹھوس اور ناقابل تردید تکوینی دلائل پیش کر کے ان جملہ شکوک وشبہات کا استیصال کر دیا ہے جو اس ادق اور اہم ترین مسئلہ پر کسی کے دل میں پیدا ہو سکتے تھے۔

ادارہ محترم ڈاکٹر صاحب کا تہ دل سے ممنون ہے کہ انہوں نے اسے یہ اہم ترین خدمت انجام دینے کا موقعہ دیا اور ان کی مزید عنایات کا منتظر ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے علم اور عمر میں برکت دے اور ان کو مزید تحقیقی اور علمی کارنامے انجام دینے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین۔ بجاہ حبیبہ الامین۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

محمد کرم شاہ ایم۔اے (الازہر)

سجادہ نشین بھیرہ، سرگودھا

عظیم کائنات کا عظیم خدا، غلام جیلانی برق

ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، نومبر ۲۰۰۱ء، ص: ۵۔۶

عزیز القدر پروفیسر مولانا محمد حبیب اللہ صاحب اطال اللہ بقاءکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

کافی عرصہ گزر گیا ہے آپ کا مسودہ مجھے ملا۔ کچھ مصروفیات کچھ پیہم اسفار، کچھ علالت طبع، اور سب سے زیادہ اس ناچیز کی کاہلی اور سستی، جواب لکھنے میں حائل رہی۔ جس کے لئے حقیر تہہ دل سے متاسف ہے۔ آج وقت نکال کر اس نورانی صحیفہ کا مطالعہ کیا۔

آپ نے گلستان توحید کے رنگین وعطر بیز پھولوں کو جمع کر کے جو رنگین اور خوشبودار گلدستہ تیار کیا ہے۔ اس نے اس فقیر کے دل ونگاہ کو نئی روشنی اور تازگی مرحمت فرمائی ہے۔ توحید کے بحر بے پیدا کنار میں غواصی کر کے آپ نے ضیاء القرآن کے حوالے سے جولولوہائے تابدار ایک ہار میں پرو دیئے ہیں۔ یہ آپ کا وہ کارنامہ ہے جو بارگاہ الٰہی میں یقیناً شرف قبولیت سے مشرف ہوگا۔ مخلوق خدا کے لئے رہنمائی کا باعث بنے گا۔ اور ملت مسلمہ کے خود فراموش نوجوانوں کو خود آگاہی سے بہرہ ور کرے گا۔ اور ان کے دل کو اپنی منزل تک پہنچنے کے لئے ایسی بے تابیوں اور بے چینیوں سے آشنا کر دے گا۔ جو مردہ دلوں کو زندہ کر دیں گے۔

اے شاہین صفت نوجوان! اس کاوش پر اپنے خیر اندیش کی طرف سے ہدیہ صد تبریک قبول فرما۔ آپ نے ضیاء القرآن میں بکھرے ہوئے موتیوں کو یکجا کر کے اپنی ملت کے نوجوانوں کے لئے ایک ارمغان محبت پرو دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس سے بھی زیادہ ارفع واعلیٰ مقام پر فائز کرے۔

ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

والسلام

دعاء گو

پیر محمد کرم شاہ

دلائل التوحید، حبیب اللہ چشتی

ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور، نومبر ۲۰۰۲ء، ص: ۷

بسم الله الرحمن الرحيم

كلمة الداعية الكبير والعالم الجليل فضيلة مفسر القرآن العلامة محمد كرم شاه حفظه الله تعالى ورعاه من علماء الأزهر الشريف

الحمدلله أحسن الخالقين والصلوة والسلام على المبعوث رحمة للعالمين وعلى آله الطيبين الطاهرين وأصحابه نجوم الهداية أجمعين.

وبعد: فقد واجهت الأمة المحمدية. على صاحبها الصلوة والسلام. عبر تاريخها الطويل الظروف الشاسعة القلقة، وفي هذا الظروف المخيفة ظلت الأمة بين تيارات الهجمات كصخرة عاتية وسط العواصف الهوج، فلم تتمكن القوات الطاغوتية كلها على إصابة الضرر لأسوار حصن الاسلام و المسلمين، فما زالوانا جحين بسبب قوة إيمانهم واتحاد صفوفهم، وكانوا كأنهم بنيان مرصوص لا يجد الشقاق

والخلاف إلى صفوفهم سبيلا.

أما اليوم فقد تحولت حالة الأمة المسلمة إلى الحالة المؤلمة المفضحة، فالمسلمون مظلومون فى العالم كله، خاصة فى بلاد إسرائيل و كشمير المحتلة وبوسنيا و سيسان، حتى أن أعداء الاسلام والمسلمين فقدوا الاخلاق والحياء والانسانية، فهم ينهبون أعراض البنات المسلمات فى كشمير و بوسنيا رغم دعايتهم بأنهم أناس مثقفون و متحضرون، إلى جانب هذا الأمرهم يزعمون بأنهم يحافظون الحقوق الانسانية فياللعجب!

لم هذه المأساة المتتالية؟ لم هذه المذابح طول الليل والنهار؟ بلاد المسلمين محاطة بالأخطار التى تهدد سلامتها، ماهو السبب ؟ بالأسف الشديد تحولت الأمة المسلمة إلى فرق، وهذا التفرق مستمر حتى اليوم، وبسبب لهذا الجدل والنقاش صارت الأمة المسلمة كثيبة رمل، التى كانت بنيانا مرصوصا بين أعدائها، هذا الافتراق الشديد هو السبب الوحيد هذا المصائب والبليات، فليس هناك سبيل لمعالجة هذا المرض الوبيل غير اتحاد الأمة المسلمة تحت لواء الاسلام، والاعتصام بحبل الله المتين،يؤلمنا كثيرا أن هناك طائفة تسعى فى بث بذور الشقاق والعداوة فى قلوب المسلمين، وهم يبذلون جهودهم فى توسيع

هـوة الانشقاق بين الشعوب المؤمنة بربها، المسلمة لأوامر خـالقهـا، وهـذه الـطـائـفة خـدمـت أعـداء المسلمين فى توسيع الـصـدوع فـى سـور حـصـن الاسـلام فـى هذه الظروف الحرجة الـمـؤلمة ، وفى هذه الايام العصبية التى تكافح الأمة فيها لسلامة كيانها، وهى فى حاجة ماسة إلى توحيد كلمتها.

مـن سـوء حـظـنـا أن إحـدى الفئتين من الأمة تاكدت فى نـفسهـا أن الـفئة الأخيرة مرتكبة للشرك والبدع، فكيف يمكن تـحـقـيـق هـدف الاتحاد والمودة فيما بينهما؟ فالاتحاد بين أناس يـزعـمـون أنـفسهـم مـوحـدين و بين المسلمين المتهمين عليهم بـالشرك والبدع محال، كالجمع بين النور والظلمة وبين الليل والـنـهـار وفـى هـذه الظروف جهود الاتحاد فى ما بين الفئتين مع بـقـاء هـذه الانـطبـاعات الخاطئة ضياع للوقت فحسب ، والذين يتـمـنـون حقامن أعماق قلوبهم أن يحولوا نقاش الأمة إلى الأخوة الاسلامية، فيجب عليهم أولاأن يبحثوا عن حقيقة تهمة الشرك عـلـى الـمـسـلـمـيـن، هـل هـذه تهـمة صادقة أم نشرة كاذبة؟ فلو وجدوا المتهمين بالشرك فى أودية الشرك حقاوصدقا فعليهم إخـراج الـمتهـمـيـن الـضـالـيـن مـن ظـلـمات الكفر والشرك ثم تـنـظـيـمهـم فـى سلك الأخوة والمودة، ولو وجدوا أنفسهم

معتمدين على النشرات الكاذبة، فيجب عليهم الرجوع قبل الدعوة إلى الاتحاد الاسلامي عمانسبوه إلى هذه الطائفة من الشرک والكفر والبدع.

لابدلنا أن لاننسى القصة الواردة في الحديث لأسامة بن زيد رضي الله عنه، وتمام القصة كمافي صحيح البخارى ومسلم وغيرهما: كالآتي:

عن أسامة رضى الله عنه، قال: بعثنا رسول الله ﷺ على قوم جهينة، فحار بناهم وهزمناهم، فكان رجل منهم لايقصد قتل رجل من المسلمين إلاقتله، فلحقته أناورجل من الأنصار فلما أغشيناه قال: لاإله إلا الله، فكف الأنصارى يده، وطعنته برمحى، حتى قتلته، فلما قدمنا بلغ ذلک رسول الله ﷺ فقال: ياأسامة أقتلته بعد ماقال: لاإله إلا الله؟ قلت: يارسول الله إنما قاله خوفامن السلاح، قال: هلاشققت قلبه؟"؛

كانت شهادة التوحيد في ظل السيف من ذلک الرجل مقبولة لدى الرسول الكريم عليه أفضل الصلوة والتسليم، فما بال هؤلاء الرجال الذين يزعمون أنفسهم حملة العلوم القرآنية، والمعارف النبوية يتهمون المسلمين بالشرک ويغالون في هذه التهمة أيضا، هؤلاء المسلمون الذين نشاؤا في أحضان الأمهات

المسلمات والآباء المسلمين، والذين هم متمسكون بأركان الاسلام، والذين هم ملتزمون بالفرائض الدينية.

نعلن عقائدنا بين أيدى المتشككين مراراً ولكنهم يهملون إقرارنا وإعلاننا ويطردونها، لانعلم من أين حصلوا اختيار التكفير والتشريك الذى لم يحصله الصحابى الجليل أسامة بن زيد رضى الله عنه.

جزى الله تعالى عنا وعن جميع أهل السنة فضيلة الشيخ الفاضل الأستاذ محمد عبدالحكيم شرف القادرى النقشبندى على جهوده فى توضيح عقائد أهل السنة والجماعة وإعلانها بين أيدى أناس منصفين.

ندعو الله تبارك وتعالى أن يرحم على حالتنا المفضحة، ويوحد كلمتنا، وأن يسمح لنا إخلاصا للوحدة الاسلامية، حتى ترتفع الشكوك والشبهات، وتعود الأمة إلى عهدها السعيد

۲۰/من شهر رمضان ۱۴۱۱ھ خادم العلماء : محمد کرم شاه

۲۱.فبرایر ۱۹۹۱م

من عقائد اہل السنۃ، محمد عبدالحکیم شرف قادری

مؤسسۃ الشرف، لاہور، ۱۹۹۵ء/ ۱۴۱۵ھ

مفسر قرآن حضرت علامہ پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

کا پرسوز مقدمہ

تمام تعریفیں پاک پروردگار سب سے بہتر بنانے والے کے لئے اور صلوٰۃ وسلام ہو اس ذات مقدس پر جنہیں تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا، اور آپ کی طیب وطاہر آل پر اور تمام ہدایت کے ستاروں صحابہ کرام پر۔ حمد وثنا کے بعد!

امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام نے اپنی طویل تاریخ پراگندہ اور پریشان کن حالات میں گزاری ہے، ان خوفناک حالات میں امت مسلمہ شدید حملوں اور تیز آندھیوں کے درمیان مضبوط چٹان کی طرح ثابت قدم رہی ہے، چنانچہ تمام طاغوتی قوتیں اسلام اور مسلمانوں کے قلعہ کی دیواروں کو نقصان نہیں پہنچا سکیں، امت مسلمہ اپنے ایمان کی قوت اور صفوں کے اتحاد کے سبب کامیاب اور کامران رہی، گویا کہ وہ ایک مضبوط عمارت تھی، اختلاف اور دشمنی کو اس کی صفوں کی طرف کوئی راستہ نہیں ملا۔

لیکن آج امت مسلمہ کی حالت بہت تکلیف دہ اور رسوا کن ہو چکی ہے مسلمان تمام دنیا خصوصا اسرائیل، مقبوضہ کشمیر، بوسنیا، چیچنیا میں مظلوم ہیں، یہاں تک کہ اسلام اور مسلمانوں کے دشمن اخلاق، شرم وحیاء اور انسانیت سے عاری ہو چکے

ہیں، ایک طرف وہ مسلمان بیٹیوں اور بہنوں کی عزتوں کو کشمیر اور چیچنیا میں رسوا و پامال کر رہے ہیں اور دوسری طرف ان کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ ترقی یافتہ اور تہذیب ثقافت کے حامل ہیں، کتنے تعجب کی بات ہے کہ وہ ان سب باتوں کے باوجود انسانی حقوق کے دعوے دار اور پاسبان بنے ہوئے ہیں۔

یہ پے در پے مصائب کیوں ہیں؟ دن رات مسلمانوں کو ذبح کرنے کا یہ لامتناہی سلسلہ کیوں اور کب تک جاری رہے گا؟ یہ خطرات، مصائب و آلام مسلمانوں کے شہروں کی سلامتی کے لئے کیوں چیلنج بنے ہوئے ہیں؟ یہ سب کیا ہے؟

شدید افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ امت مسلمہ فرقوں میں بٹ گئی اور آج تک افتراق کا یہ سلسلہ جاری ہے، ان جھگڑوں اور اختلافات نے ملت اسلامیہ کو ریت کا ٹیلہ بنا دیا ہے جو کسی وقت اپنے دشمنوں کے درمیان مضبوط قلعہ کی حیثیت رکھتی تھی، شدید اختلافات ہی ان مصائب و بلیات کا سبب ہیں۔

اس کا علاج صرف اور صرف یہ ہے کہ امت مسلمہ اسلامی جھنڈے کے نیچے متحد ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لے۔

یہ حقیقت بڑی تکلیف دہ ہے کہ ایک فرقہ مسلمانوں کے دلوں میں دشمنی اور اختلاف کے بیج بونے میں مصروف ہے، یہ لوگ اپنے رب پر ایمان رکھنے والے اور اپنے خالق کے احکام کو تسلیم کرنے والے فرقوں میں اختلاف کی خلیج کو وسیع کرنے میں مصروف عمل ہیں، ان تکلیف دہ اور پر خطر حالات اور ناسازگار ماحول میں جب کہ امت مسلمہ اپنی سلامتی کی جنگ لڑ رہی ہے اور اسے اتحاد کی سخت ضرورت ہے، اس فرقے نے اسلام کے قلعہ کی فصیلوں میں شگافوں کو وسیع کرنے میں مسلمان دشمنوں کی

خدمات سرانجام دی ہیں۔

بدقسمتی یہ ہے کہ یہ فرقہ اس بات پر مصر ہے کہ دوسری جماعت شرک اور بدعات کی مرتکب ہے، اس صورت میں ان کے درمیان اتحاد اور محبت کا رابطہ کیسے ہو سکتا ہے؟ وہ لوگ جو اپنے آپ کو موحد کہتے ہیں، ان کے اور مسلمانوں کے درمیان اتحاد ناممکن ہے جن پر شرک اور بدعات کی تہمت لگائی گئی ہے۔

جیسے اندھیرے اور اجالے، رات اور دن میں اتحاد نہیں ہو سکتا، اسی طرح ان حالات میں ان غلط رجحانات کے ہوتے ہوئے دونوں گروہوں کے درمیان اتحاد کی کوششیں وقت ضائع کرنے کے مترادف ہیں وہ لوگ جو واقعی دل کی گہرائی سے اس بات کی آرزو رکھتے ہیں کہ امت کے اختلاف کو اسلامی بھائی چارے میں تبدیل کر دیں ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ پہلے دیانت داری سے اس بات کی تحقیق کریں کہ مسلمانوں پر جو شرک و بدعت کی تہمت لگائی گئی ہے وہ سچی ہے یا جھوٹی؟ جن لوگوں پر شرک کی تہمت لگائی گئی ہے اگر انہیں واقعی مشرک پائیں تو پہلے انہیں کفر اور شرک کے اندھیروں سے نکالیں، پھر انہیں اخوت اور محبت کی لڑی میں پروئیں اور اگر وہ محسوس کریں کہ ہم نے غلط بیانیوں پر اعتماد کیا تھا، تو انہیں اتحاد اسلامی کی دعوت دینے سے پہلے دوسرے فرقے پر شرک، کفر اور بدعتوں کی تہمت واپس لینا ہو گی۔

ہمیں حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا وہ واقعہ نہیں بھولنا چاہیے جو حدیث شریف میں واقع ہے اور وہ صحیح بخاری اور مسلم وغیرہ کتب حدیث کے مطابق اس طرح ہے: حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ:

ہمیں رسول اللہ ﷺ نے قوم ''جھینہ'' کی طرف بھیجا، ہم نے
ان کے ساتھ جنگ کی اور انہیں شکست دی، ان میں سے ایک
شخص ایسا بھی تھا جو مسلمانوں میں سے جسے چاہتا اسے قتل کر
دیتا، میں نے اور ایک انصاری صحابی نے اس کا تعاقب کیا جب
ہم اس کے سر پر پہنچے، تو اس نے کہا:
''لا الہ الا اللہ'' انصاری نے تو اپنا ہاتھ روک لیا لیکن میں نے اس
پر نیزے کا وار کیا اور اسے قتل کر دیا، جب ہم واپس آئے تو
رسول اللہ ﷺ کو یہ اطلاع پہنچی آپ نے فرمایا: اے اسامہ!
کیا تو نے اسے ''لا الہ الا اللہ'' کہنے کے باوجود قتل کر دیا؟ میں نے
عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اس نے ہتھیار کے خوف سے کلمہ
طیبہ پڑھا تھا، آپ نے فرمایا: کیا تو نے اس کے دل کو چیرا تھا؟۔

رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں اس شخص کی توحید کی شہادت تلوار کے سائے میں بھی مقبول تھی، تو ان لوگوں کا کیا حال ہے؟ جو اپنے آپ کو علوم قرآنیہ اور معارف نبویہ کے حامل گمان کرتے ہیں اور مسلمانوں پر شرک کی تہمت لگاتے ہیں اور اس تہمت میں غلو بھی کرتے ہیں، حالانکہ ان مسلمانوں نے مسلمان ماؤں اور مسلمان آباء کی آغوش میں پرورش پائی ہے، ارکان اسلام پر عمل پیرا ہیں اور دینی فرائض باقاعدگی سے ادا کرتے ہیں۔

ہم شک وشبہ کے مریضوں کے سامنے بار بار اپنے عقائد کا اعلان کرتے ہیں لیکن وہ ہمارے اقرار اور اعلان کو نظر انداز کر دیتے ہیں، ہم نہیں جانتے کہ کافر اور

مشرک قرار دینے کا اختیار جو جلیل القدر صحابی اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو حاصل نہیں تھا، وہ ان لوگوں کو کہاں سے حاصل ہو گیا؟

اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے اور تمام اہل سنت و جماعت کی طرف سے حضرت فاضل علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری کو انصاف پسند لوگوں کے سامنے اہل سنت و جماعت کے عقائد کی وضاحت اور تشہیر پر جزائے خیر عطا فرمائے، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ بے کس پناہ میں ہماری دعا ہے کہ ہماری ناگفتہ بہ حالت زار پر رحم فرمائے، اور ہمیں اتحاد کی دولت نصیب فرمائے، اور ہمیں اتحاد اسلامی کے لئے اخلاص عطا فرمائے یہاں تک کہ شکوک وشبہات دور ہو جائیں اور امت مسلمہ دور سعادت وخوش بختی کی طرف لوٹ جائے۔

۲۰ ر رمضان ۱۴۱۱ھ　　　　خادم العلماء محمد کرم شاہ

۲۱ ر فروری ۱۹۹۱ء

من عقائد اہل السنۃ، محمد عبدالحکیم شرف قادری

مؤسسۃ الشرف، لاہور، ۱۹۹۵ء / ۱۴۱۵ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

علم صرف وعلم نحو علوم عربیہ اسلامیہ کے قصر رفیع کے لئے بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں، جب تک کوئی طالب علم ان دوعلوم میں کامل دسترس حاصل نہیں کر لیتا اس وقت تک اس کے لئے اسلامی علوم وفنون میں پیش رفت ممکن نہیں۔

جب ۱۹۵۷ء میں دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ کی نشاۃ ثانیہ کا آغاز ہوا تو اس کے لئے ایک جامع نصاب کی ترتیب کا مرحلہ پیش آیا۔ میں نے کوشش کی کہ صرف ونحو کی ابتدائی تعلیم کے لئے ایسی کتب نصاب میں داخل کی جائیں جو مبتدی طلبہ کے لئے آسان اور عام فہم ہونے کے ساتھ ساتھ ان علوم کے قواعد وضوابط کی جامع بھی ہوں تاکہ مبتدی طلبہ ان علوم کے پیچیدہ مسائل کو بآسانی سمجھ سکیں اور انہیں دلچسپی کے ساتھ ازبر کر سکیں، میں نے مقدور بھر کوشش کی لیکن بے سود، بامر مجبوری متداول کتب میں سے جو کتب میرے نقطہ نظر سے زیادہ قریب تھیں اُن کو نصاب میں داخل کیا اور تدریس کا آغاز کر دیا۔ دس سال کے بعد ۱۹۶۷ء میں طلبہ کا پہلا دستہ جو فارغ التحصیل ہوا میں نے انہیں تدریسی ذمہ داریاں سونپیں اور ہر نوجوان فاضل کے لئے دو دو تین تین مضمون مخصوص کر دیئے جو اس کے ذوق سے زیادہ مناسبت رکھتے تھے تاکہ وہ ان

مضامین کی تدریس کا فریضہ انجام دے۔ مقصد یہ تھا کہ ان مجوزہ مضامین کی مسلسل تدریس اور کثرت مطالعہ سے ان فنون میں انہیں مہارت و بصیرت حاصل ہو جائے اور رفتہ رفتہ وہ ان مضامین کی تدریس کا حق ادا کر سکیں۔

یہ فقیر اللہ تعالیٰ کے اس لطف خاص کا شکریہ ادا کرنے سے قاصر ہے جس نے اس تجویز کو کامیابی سے ہمکنار کیا۔ ہمارے اساتذہ مخصوص علوم میں مسلسل محنت، طویل مطالعہ اور شوق تحقیق کے باعث اس منزل کے قریب پہنچ گئے جس پر یہ فقیر دیکھنا چاہتا ہے۔

سالہا سال کی جدوجہد کا اولین ثمر "تسہیل النحو" کی صورت میں ہم علوم عربیہ کے طلبہ کی خدمت میں بتوفیقہ تعالیٰ پیش کر رہے ہیں۔ عزیز القدر مولانا حافظ محمد خان صاحب نوری جو ۱۹۵۷ء میں دار العلوم میں داخل ہونے والے پہلے طالب علم تھے انہوں نے ۱۹۶۷ء میں سند فضیلت حاصل کی۔ میں نے ان کو صرف و نحو جیسے ادق اور غیر دلچسپ علوم کی تدریس کی ذمہ داری تفویض کی، اسلام کے اس جانثار سپاہی، علوم دینیہ کے اس جانباز خادم نے ان علوم کی تدریس کا حق ادا کر دیا۔ جن طلباء نے علوم ان سے پڑھے ہیں ان کی اپنی ایک امتیازی شان ہے۔ ان کی اس شبانہ روز سعی پیہم کا شیریں ثمر ان کے کثیر تلامذہ بھی ہیں جو ان سے فیضیاب ہوئے اور ان کی یہ تالیف "تسہیل النحو" بھی ہے جو علم نحو کے طلبہ کے لئے انہوں نے مرتب کی ہے۔ ادارہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور بصد شوق و ذوق طبع کر کے طلبہ کی خدمت میں پیش کر رہا ہے۔

علم نحو کے ادق اور پیچیدہ مسائل کو جس مہارت اور جامعیت کے ساتھ

انتہائی دلکش اور دلآ ویز انداز میں پیش کیا گیا ہے میرے دانست کے مطابق اردو زبان میں اس پایہ کی کوئی دوسری کتاب نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ اس کتاب کو پڑھنے کے بعد کوئی طالب علم یہ شکایت نہیں کرے گا کہ یہ علم بہت مشکل ہے اور انداز بیاں کی یبوست نے اسے نا قابل فہم بنا دیا ہے۔ اس ایک کتاب کے سمجھ کر پڑھنے اور سمجھ کر از بر کر لینے سے طلبہ کو اس فن میں نہ صرف مہارت حاصل ہو جائے گی بلکہ اس علم سے ان کو قلبی انس پیدا ہو جائے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

اللہ تعالیٰ عزیزم نوری صاحب کی اس کاوش کو اپنی بارگاہِ عالی میں شرفِ قبولیت ارزانی فرماوے اور قرآن کریم اور سنت نبی رؤف و رحیم کی زبان میں کمال بصیرت حاصل کرنے کا ذریعہ بناوے اور عزیزم حافظ صاحب کو توفیق بخشے کہ وہ اسی پایہ اور انہی خوبیوں سے مزین ایک کتاب علم صرف کے طالب علموں کے لئے بھی تصنیف فرمادیں اور ان کے رفقاء اساتذہ کرام کو بھی اپنے اپنے مخصوص میدان عمل میں ایسے علمی کارنامے انجام دینے کی ہمت بخشے جن کی تابانیوں سے جہالت کے اندھیرے کافور ہوتے رہیں۔

الٰہی! یہ تیرا از حد ناچیز بندہ تیری بارگاہِ بے کس پناہ میں بصد عجز و نیاز عرض کرتا ہے کہ دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ، اس کے ساتھ ملحق مدارس کو رشد و ہدایت کا مرکز بنا اور اس گلستان علم وحکمت میں ایسے پھول کھلا جن کی روح پرور خوشبو اور دلنواز شادابی اور نظر افروز رنگینیاں سدا بہار ہوں، اسے اپنے دین کے مخلص سپاہیوں کی بے مثال تربیت گاہ بنا۔ علم کے آب زلال اور عشق مصطفوی کے بادۂ لالہ فام سے ان کو سیرابیاں عطا فرما تا کہ یہ تیرے مخلص بندے دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہو کر تیری

توحید اور تیرے محبوب کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کی رفعت ذکر کا علم بلند رکھیں
آمین ثم آمین۔ بجاہ طٰہٰ ویٰس صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم۔

یوم الخمیس

۳۰ ذیقعدہ ۱۴۰۶ھ

۷/ اگست ۱۹۸۶ء

خادم العلم والعلماء

محمد کرم شاہ الازہری سجادہ نشین

عمید دار العلوم محمدیہ غوثیہ، بھیرہ

جج سپریم کورٹ پاکستان

تسہیل النحو، حافظ محمد خان نوری

ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، اپریل ۲۰۰۵ء، ص: ۷۔۹

ازقلم :حضرت ضیاءالامت جسٹس محمد کرم شاہ الازہری زید مجدہٗ
پرنسپل دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ پاکستان

عزیز القدر علامہ پیرزادہ محمد امداد حسین صاحب جھنگ سے میٹرک کرنے کے بعد ۱۹۶۴ء میں دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ میں داخل ہوئے۔ انہوں نے اپنی ذہانت و فطانت، شرافت ونجابت کے باعث اپنے اساتذہ کی نگاہوں میں بہت جلد ایک ممتاز مقام حاصل کرلیا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کے جوہر کھلنے لگے۔ دارالعلوم کے ندوۃ الطلبۃ کے ہفت روزہ اجتماعات میں وہ بڑے ذوق وشوق سے شرکت کرتے۔ جس سے ان کی فصاحت وبلاغت کی صلاحیتوں میں نکھار پیدا ہونے لگا۔

۱۹۷۰ء میں انہوں نے دارالعلوم محمدیہ غوثیہ سے سند فراغ حاصل کی اور نوری جامع مسجد بالمقابل ریلوے سٹیشن لاہور میں خطابت سے اپنی عملی زندگی کا آغاز کیا۔ ایک بہترین خطیب کی حیثیت سے ان کی شہرت گلاب کے پھول کی طرح چارسو پھیل گئی۔ کچھ عرصہ بعد انگلینڈ کے احباب کے اصرار پر انہیں مغربی تہذیب کے گہوارہ انگلستان میں تبلیغ اسلام کے لیے منتخب کیا گیا۔ چنانچہ وہ براستہ زیارت حرمین شریفین برطانیہ روانہ ہوئے اور ہائی ویکمب کے شہر کو اپنا مرکز بنایا۔ کچھ عرصہ بعد قدرت خداوندی نے ایسے اسباب پیدا کر دیئے کہ انہیں ہائی ویکمب کو خیر باد کہنا پڑا اور ملٹن کینز تشریف لے آئے۔ یہ شہر لندن سے

تقریباً چالیس میل کی مسافت پر نیا آباد کیا جارہا ہے۔ اپنی وسعت و کشادگی، پاکیزہ ماحول اور ماہرانہ منصوبہ بندی کی وجہ سے برطانیہ کے تمام شہروں میں ایک منفرد مقام کا حامل ہے۔
وہاں انہوں نے جامعہ الکرم کے نام سے ایک اسلامی درسگاہ کا سنگ بنیاد رکھا۔ یہاں ان کی خداداد تدریسی صلاحیتوں کو نشو ونما پانے کا موقع ملا۔ اس میدان میں بھی انہوں نے اپنی قابلیتوں کا ایسا دلکش مظاہرہ کیا کہ اپنے اور بیگانے سب عش عش کرا ٹھے۔ لیکن ابھی ان کی خداداد ان گنت صلاحیتوں کے کئی ایسے مخفی گوشے تھے جو اپنے ظہور اور نشو ونما کے لئے کسی مناسب وقت کے منتظر تھے۔

امداد الصرف ...... اور ...... امداد النحو

تبلیغی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ اب انہوں نے تدریس کے کام کا آغاز کیا تو انہیں بنیادی علوم دینیہ کی تدریس کے لئے ایسی درسی کتب کی ضرورت محسوس ہوئی جو انگلینڈ کے بالکل جدید ماحول میں علوم اسلامیہ کے خزانہ عامرہ کے قفل کو کھولنے کے لیے کلید کا کام دے سکیں۔ تلاش بسیار کے باوجود انہیں ایسی کوئی کتاب دستیاب نہ ہوئی جو ان کے معیار پر پوری اترتی ہو چنانچہ متوکلاً علی اللہ تعالیٰ انہوں نے صرف ونحو جیسے ادق اور اہم علوم کی تدریس کے لیے خود ایسی کتاب تصنیف کرنے کا عزم مصمم کر لیا جو ان فنون کی خصوصیات کی حامل بھی ہو اور ان بچوں کے لیے دلچسپی کا باعث بھی ہو جو ایسے ماحول میں پروان چڑھے ہوں جہاں ملکی اور قومی زبان انگریزی ہے۔ آپ نے فن صرف کے لیے امداد الصرف اور نحو کے طلباء کے لیے امداد النحو تالیف فرمائی۔ تدریسی کتب کے میدان میں ان کی یہ پہلی کاوش تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کتب کو قابل رشک پذیرائی بخشی۔ ان فنون کے قواعد اور ان کی وضاحت کے لیے مثالیں تو عربی زبان میں لکھیں لیکن ان قواعد کی تشریح انہوں نے سلیس، آسان اور رواں انگریزی میں تحریر کی۔ اہل علم میں سے جس نے بھی ان کی اس

تالیف کا مطالعہ کیا اس نے اسے بے حد پسند کیا۔

امدد الفقہ

ان دو کتب کی اشاعت کے بعد اب ان کے گلشن تالیف و تصنیف میں ایک اور پھول کھلا ہے جس کی مہک نے طالبان علوم اسلامیہ کے مشام جاں کو معطر کر دیا ہے۔ یہ کتاب انہوں نے علم فقہ کے طلبہ کے لیے تحریر کی ہے۔ جو امداد الفقہ کے نام سے موسوم ہے۔ پیر زادہ صاحب کو اللہ تعالیٰ نے ذہانت و فطانت کی لازوال نعمت کے ساتھ ساتھ ذوق لطیف سے بھی نوازا ہے۔ انہوں نے اس بابرکت کتاب کی طباعت بیروت کے مشہور مرکز نشر و اشاعت دار الفکر سے کرائی ہے۔ اب یہ کتاب زیور طباعت سے آراستہ ہو کر شائقین علم فقہ کے قلب و نگاہ کو منور کر رہی ہے۔ یہ کتاب انہوں نے عربی زبان میں تصنیف کی ہے۔ اگرچہ عربی زبان میں ان کی یہ پہلی کوشش ہے لیکن ان کی عربی عبارت اتنی شگفتہ، دل پسند اور روح افروز ہے کہ اسے پڑھ کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے کسی عربی کے کہنہ مشق صاحب طرز ادیب نے اسے رقم کیا ہے۔

فقہی مسائل کو ابواب و فصول میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پھر ان کے ذیل میں متعلقہ مضامین کو یوں قلمبند کیا ہے کہ مشکل اور پیچیدہ مسائل بھی از خود دل میں اترتے چلے جاتے ہیں۔ مطالعہ کرنے والے کو کسی وقت اور دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ انہوں نے کوئی بات بلا سند نہیں لکھی۔ ہر بات کے ساتھ مستند کتب سے اس کا حوالہ دیا ہے جس کے باعث اس کتاب کی افادیت اور ثقاہت کو چار چاند لگ گئے ہیں۔ کاغذ، طباعت، جلد ہر چیز لائق صد ستائش ہے۔

ہم عزیزم پیر زادہ صاحب کی خدمت میں ان عظیم علمی کارناموں پر تہ دل سے ہدیہ تبریک و تہنیت پیش کرتے ہیں اور بصد عجز و نیاز بارگاہ رب العالمین میں ان کی درازی

عمر، ان کے فیوضات کی وسعت اور ان کے اعلیٰ عزائم میں ان کی شاندار کامیابی کے لیے دعا گو ہیں۔ ان کا وجود مسعود، دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ کے لیے باعث صد افتخار ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے تعلیمی ادارہ جامعہ الکرم کو دن دگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے اور اس کو رشد و ہدایت کا ایسا مرکز بنائے۔ جہاں سے تا قیامت ایسے علماء ربانیین تیار ہوتے رہیں جو دلوں کے ظلمت کدوں کو بقعہ نور بناتے رہیں۔ اس عظیم الشان کام کو سرانجام دینے کے لیے جو لوگ تعاون کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں بھی دونوں جہانوں کی خیرات و برکات سے مالا مال فرمائے۔ آمین ثم آمین بجاہ طٰہٰ ویٰس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم

امداد الصرف، پیرزادہ محمد امداد حسین

نوٹنگھم، یوکے، ۱۹۹۶ء

تقریب

پیر محمد کرم شاہ صاحب ایم۔اے (الازہر) پرنسپل دارالعلوم محمدیہ بھیرہ ضلع سرگودھا

مولانا نور احمد خاں فریدی اپنی وسعت علمی، بالغ نظری اور ان کی تصانیف اپنی افادیت اور اہمیت کے باعث کسی تقریب یا کسی تعارف کی محتاج نہیں۔

مؤرخ اقوام وملل کے علمی، روحانی، تمدنی اور عمرانی خزانوں کو آنے والی نسلوں تک منتقل کرنے کا اہم فریضہ ادا کرتا ہے۔ یہ کام بڑا نازک اور بے حد مشکل ہے، اس کے لیے وسعت مطالعہ کی ضرورت ہے تاکہ اس موضوع پر جتنا کام پہلے ہو چکا ہے۔ اس کا کوئی گوشہ پوشیدہ نہ ہو۔ اس کے لیے فکر رسا کی ضرورت ہے تاکہ واقعات میں ربط قائم کر کے نتائج اخذ کیے جا سکیں۔ اس کے لیے قلب بینا کی ضرورت ہے تاکہ حال کی آئینہ میں مستقبل کے خدو خال دیکھ کر اپنی ملت کے کارواں کو صحیح راہ پر گامزن کیا جا سکے۔

اللہ تعالیٰ نے مولانا فریدی صاحب کو بڑی فیاضی سے ان صلاحیتوں سے نوازا ہے اور ایک خصوصی کرم جوان پر ہوا ہے، یہ ہے کہ مشیت ایزدی نے ان کے قلم کو سلاطین و امراء کی قصیدہ گوئی سے ہٹا کر اقلیم معرفت کے تاجداروں، میدان

فتوت و مردانگی کے شہ سواروں اور ملک معنی کے سلاطین کی تاریخ مرتب کرنے کے لیے منتخب فرمایا اور وہ بھی اس زمانہ میں جبکہ الحاد و دہریت کے طوفان اُمڈ کر آ رہے ہیں، جبکہ موجود سائنسی علوم کی فتوحات ذہنوں کو مرعوب کر رہی ہیں۔ اور جبکہ ملت اسلامیہ خود فراموشی اور احساس کمتری کے ساتھ ساتھ مادہ پرستی کے روگ میں مبتلا ہے۔ اس پر آشوب دور میں اللہ تعالیٰ نے فریدی صاحب کے قلم کو یہ کام سونپا ہے کہ وہ ان زندہ جاوید ہستیوں اور اسلام کے نامور فرزندوں کے زریں کارناموں کو بڑی شائستگی، دلفریب انداز اور علمی اسلوب میں پیش کر کے اپنی ملت کے نوجوانوں کو دعوت فکر و نظر دیں۔

مولانا کی ہمت جوانمردی اور ثابت قدمی کی داد دیئے بغیر انسان نہیں رہ سکتا کہ انہوں نے اس جہاد میں اغیار کے ستم بھی برداشت کیے اور اپنوں کی بے رخی اور حوصلہ شکن بے مہری کا بھی مقابلہ کیا۔ آپ نے خاندان سہروردیہ اور شیخ الاسلام بہاء الدین ابو محمد زکریا قدس سرہ العزیز، آپ کی اولاد امجاد اور خلفائے ابرار کا تذکرہ جس تحقیق اور دلربا انداز سے رقم کیا وہ ان کا زندہ جاوید کارنامہ ہے حضرت غوث العالمین کی اولاد اور آپ کے عقیدت مندوں پر ان کا بڑا احسان ہے جس کا شکریہ ادا کرنے کا ابھی ان کے دل میں احساس بھی پیدا نہیں ہوا۔

اس وقت تاریخ ملتان کی جلد اول میرے سامنے ہے۔ ملتان جنت نشان فاضل مصنف کا وطن ہے۔ وطن سے کس کو پیار نہیں ہوتا، لیکن اس پیار اور محبت کا حق ہر شخص ادا نہیں کر سکتا۔ خصوصاً جب وطن ملتان ہو جس کی تاریخ تاسیس کا تعین ابھی تک مورخین کے لیے ایک معمہ ہے جس کا یہ طویل عہد عروج و زوال، اقبال و ادبار کا

ایک ختم نہ ہونے والا تسلسل ہے جس کی زندگی کا ہر دور تاریخی اہمیت کا حامل ہے، جس کا ہر ذرہ اپنے سینے میں غم و مسرت کی ایسی یادیں سمیٹے ہوئے ہے جن کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ جس کے ہر گوشے میں بڑے بڑے فاتح، سلاطین اور فضلاء آسودہ ہیں جس کا ہر گلی کوچہ ان مردان پاکباز کا مسکن ہے جن کے آستانوں سے نور و عرفان کے میٹھے چشمے اب بھی ابل رہے ہیں۔ ایسے قدیم شہر کی تاریخ مرتب کرنا طرح طرح کی غلط فہمیوں کا ازالہ کرنا۔ واقعات کی گم گشتہ کڑیوں کا سراغ لگانا کوئی آسان کام نہیں۔ لیکن مولانا نے جس محنت، بالغ نظری اور فراست کا ثبوت دیا ہے، اہل علم ہمیشہ اسے عزت واحترام کی نگاہوں سے دیکھیں گے۔

آپ کی اس محققانہ تالیف کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کو سخت کش مکش کا سامنا اس وقت کرنا پڑا جب آپ نے تاریخ ملتان کے ضمن میں اہل اللہ کے حالات قلمبند کیے۔ ہماری تاریخ کا المناک سانحہ یہ بھی ہے کہ ایسے شہبازوں کی مسند ان لوگوں کے حصہ میں آئی جن کا روحانی پہلو حد درجہ کمزور ہو چکا ہے جن کی کم ہمتی اور عیش کوشی نے انہیں ان بلندیوں میں جھانکنے کی مہلت نہ دی جہاں ان کے قابل فکر اسلاف پر کشار ہے تھے۔

میراث میں آئی ہے انہیں مسند ارشاد
زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن

تزکیہ قلب، طہارت نفس، اخلاق کی بلندی، سیرت کی پختگی اور اتباع شریعت جوان اولوالعزم ہستیوں کا حاصل حیات تھا، نااہل اخلاف کے نزدیک اسے ثانوی حیثیت بھی حاصل نہ تھی۔ ان کا سارا سرمایہ چند بے سروپا حکایات اور بے بنیاد روایات تھیں

جنہیں وہ مزے لے لے کر اپنی مخصوص محفلوں میں بیان کرتے اور اغیار کے لیے سامان تضحیک مہیا کرتے تھے۔فریدی صاحب نے ان ہستیوں سے قلبی عقیدت اور دلی شیفتگی کا ثبوت اس طرح دیا کہ حقیقت کے رخ زیبا پر جو دبیز پردے پڑ گئے تھے ان کو اٹھایا۔غلط فہمیوں کی جو دھند چھا گئی تھی اسے دور کیا۔اپنوں کی جہالت اور نادانی نے اغیار کو طعن و تشنیع اور زبان درازی کے لیے جو مواد بہم پہنچایا تھا اس کو تحقیق کی کسوٹی پر رکھا اور اس کی لغویت کو ثابت کیا۔اس طرح اپنے نوجوانوں کے دلوں میں اہل اللہ سے سچی محبت اور عقیدت اور ان کی پیروی کرنے کا ذوق وشوق پیدا کیا۔

ان متنازعہ فیہ ہستیوں میں حضرت شمس الدین ملتانیؒ کی ذات بابرکات بھی ہے۔کونسی تہمت ہے جو اس فرشتہ سیرت ہستی پر نہیں لگائی گئی۔کونسا الزام ہے جو اسلام کے اس نڈر اور پرجوش مبلغ پر نہیں تراشا گیا۔یہاں تک کہ کہنے والوں نے انہیں اسماعیلی، نزاری، باطنی اور قرامطی کہنے میں بھی تامل نہیں کیا اور ان کی طرف ایسی رسوائے زمانہ تالیفات منسوب کیں، جن کا آپ سے دور کا واسطہ بھی نہ تھا۔کشمیر میں ایک صاحب گزرے ہیں جن کا نام شاہ شمس عراقی تھا۔وہ نوربخشیہ فرقہ کے موسس تھے۔صحابہ کرام اور ام المومنینؓ کے خلاف انہوں نے زہر افشانی کی اور ''الاحوط'' نامی کتاب کے وہ مصنف ہیں۔اسے سادہ لوح عقیدت مندوں کی نادانی سمجھئے یا شاطر اغیار کی چالاکی کہ محض نام کی مشارکت کی آڑ لے کر حضرت شمس الدین ملتانی کو شاہ شمس عراقی بنا دیا گیا، اور اس کی معتقدات، تالیفات اور دواوین کو اول الذکر سے منسوب کر دیا۔مقصد یہ تھا کہ حضرت شمس ملتانی کو جو مقبولیت حاصل ہے اس کا سہارا لے کر اپنے غلط عقائد کی تبلیغ کی جائے اور اس الزام کو اس کثرت

سے بار بار دہرایا گیا کہ عوام الناس تو کجا، آپ کے آستانہ کے سجادہ نشین بھی آپ کے متعلق طرح طرح کی غلط فہمیوں کا شکار ہو گئے۔ مولانا فریدی صاحب نے حضرت شمس رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر اولیاء کرام کے حالات کو اس کتاب میں یوں محققانہ انداز میں پیش کیا ہے کہ صدیوں سے مسخ شدہ حقیقتیں اپنے اصلی رنگ وروپ میں آشکارا ہو گئیں اور اپنی زیبائیوں اور رعنائیوں سے دلوں کو موہنے لگی ہیں۔

میں سوچتا ہوں کہ جب اس کتاب کی بقیہ تین جلدیں بھی زیور طبع سے آراستہ ہو کر قارئین کی ہاتھوں میں پہنچیں گی تو وہ کتنی سہانی اور بابرکت گھڑی ہوگی کتنے شکوک دور ہوں گے۔ کتنی غلط فہمیوں کا ازالہ ہوگا۔ سپہر علم وعرفان کے کتنے گہنائے ہوئے مہروماہ پوری آب وتاب سے پھر ضوفشاں ہوں گے۔

اے خداوند کریم! اپنے رؤف رحیم نبی کے طفیل مولانا نور احمد خاں فریدی کی عمر میں برکت دے، ان کا بحر علم موجزن رہے۔ یہ سدا جوان رہیں اور ان کا قلم حقیقت رقم گل افشانی کرتا رہے، تاکہ ملت اسلامیہ آپ کی علمی کمالات اور حقیقی نگارشات سے اپنے دیدہ ودل کو منور کرتی رہے

ع ایں دعا از من واز جملہ جہاں امین باد!

خاک راہ صاحبدلاں

محمد کرم شاہ، سجادہ نشین بھیرہ

۲۵ جولائی ۱۹۷۱ء

تاریخ ملتان، مولانا نور احمد خان فریدی

قصر الادب۔ ملتان ص ۱۲۔۱۴

جسٹس میاں محبوب احمد ایک اہم اور باوقار شعبہ سے تعلق رکھتے ہیں، اور اس جلیل القدر منصب پر فائز ہیں۔ کہ معاشرے کے تمام عمیق پہلوان کی نظر میں ہیں۔ اور وہ اس کے تمام حسن و قبح سے اچھی طرح واقف ہیں۔ ہماری زندگی میں در آنے والی تمام خرابیوں سے آشنا بھی ہیں اور ان کا تدارک کرنا بھی جانتے ہیں، اسی لیے ان کا مجموعہ خطبات میرے نزدیک بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ جسٹس صاحب کے خطبات گہرے فلسفیانہ اسلوب یا گنجلک منطقی استدلال پر مبنی نہیں ہیں، بلکہ نہایت ہی سادہ اور آسان انداز میں ہیں۔ لیکن اس سادہ اور آسان انداز میں بھی گہری بصیرت اور اخلاص کے ہزار ہا رنگ دیکھے جا سکتے ہیں۔

مجموعہ خطبات کا ایک معتد بہ حصہ حضور اکرم ﷺ کی سیرت مبارکہ کے حوالے سے ہے۔ عصر جدید کے دانشور عموماً دینی استعاروں سے گفتگو کرتے ہوئے بڑے عار محسوس کرتے ہیں، لیکن میاں صاحب حضور اکرم ﷺ کی پیروی کو ہی ملت اسلامیہ کی نجات اور بقاء کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔

پیر محمد کرم شاہ الازہری

جج شریعت اپیلٹ بنچ سپریم کورٹ آف پاکستان

سجادہ نشین آستانہ عالیہ بھیرہ شریف

میزان خیال: جسٹس محبوب احمد (فلیپ)

تصور سے بھی ماورا ہیں
آلودہ دامن اور کہاں
ایک
عشق حبیب کبریا صلوٰت
کے آبلہ پا مسافروں کا ہی
یہی وہ آب حیات ہے جس

مکتبہ جمال کرم لاہور